نئے مسائل کے حل کا طریقہ

قیاس کی حجیت کا مرتبہ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ہے لیکن یہی وہ ماخذ ہے جس کے ذریعہ قانون شریعت کا بڑا حصہ ترتیب پایا ہے اور اسی کے ذریعہ قرآن وسنت کا اجمال اور اس کے اصول وکلیات اور اس کے محدود قوانین اور احکام جامد ہونے کے بجائے قیامت تک کیلئے متحرک ہیں، زمانہ کو قرار نہیں، صبح وشام تغیرات سامنے آتے رہتے ہیں، ہر نیا دور نئے تقاضے لے کر سامنے آتا ہے، خصوصا بیسویں صدی کے نصف اول سے تغیر انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے اور زندگی کے معاملات اور مسائل ہر تھوڑے عرصہ کے بعد نئی شکلوں اور پیچیدہ صورتوں میں سامنے آرہے ہیں، اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے اور زندگی کے نئے مسائل میں شرعی احکام بتلانے کے لئے قیاس اور اجتہاد کے سوا کوئی اور راہ نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ ہم قیامت تک پیش آنے والے ہر نئے معاملہ کا جواب دے سکتے ہیں، اگر دروازۂ اجتہاد بند کر دیا جائے تو قرآن کریم کا آخری اور ابدی قانون ہونا، اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی ابدیت قائم نہیں رہ سکتی۔

اس لئے فقہ اسلامی کو ایک زندہ اور متحرک قانون باقی رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ قیاس واجتہاد ہمیشہ جاری رہے اور قرآن وسنت کے خشک نہ ہونے والے چشمہ سے ہر دور وزمانہ کی ضروریات پوری ہوتی رہیں، مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ قیاس واجتہاد ایسی ہلکی پھلکی چیز نہیں ہے کہ اردو زبان میں قرآن کریم اور احادیث کا ترجمہ پڑھ کر اس کام کو شروع کر دیا جائے، فقہائے اسلام نے اجتہاد اور مجتہد کے لئے جن شرائط واوصاف کا ذکر کیا ہے اس کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے، اسی لئے جب ان صفات وشرائط کے حاملین کم سے کمتر ہو گئے تو چوتھی صدی ہجری میں مصلحتاً فقہاء نے دروازۂ اجتہاد کو بند کر دیا کہ خدانخواستہ اگر یہ مؤثر حربہ نا اہلوں کے ہاتھ میں آیا تو اصلاح کے بجائے فساد پیدا ہوگا۔ اور ہدایت کی جگہ گمراہی آئے گی، لیکن تشریع اسلامی کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی زمانہ کے تقاضوں نے نئے مسائل لا کھڑے کئے تو فقہائے کرام نے اسی قیاس کے ذریعہ استحسان اور مصالح مرسلہ کے پیش نظر ان مسائل کا شرعی حکم بتلایا۔ یقیناً آج ایسے اشخاص کا دستیاب ہونا جن میں اجتہاد کے شرائط اور مجتہد کے اوصاف پائے جاتے ہوں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اجتہاد اور قیاس کا حق اشخاص کے دائرہ سے نکال کر جماعت کو دیا جائے اور علماء واصحاب نظر کی ایک مجلس بنائی جائے، مجلس کا ہر رکن علوم اسلامیہ کا ماہر ہو، نیز ان کی نظر عصر حاضر اور اس کی ضروریات، عرف عام اور ملک کے تہذیبی اور ثقافتی معاملات پر گہری ہو، سائنٹیفک ترقیاتی، اور ثقافتی انقلاب نے جو گہرے اثرات انسانی زندگی اور اس کے گرد وپیش پر ڈالے ہیں، اس سے بھی وہ پورے طور پر آگاہ ہوں۔

ایسے حضرات کتاب وسنت، اجماع وقیاس اور فقہاء اسلام کے تیرہ سو سالہ عظیم کارناموں کو سامنے رکھ کر پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضامندی کیلئے شرعی حکم بتلائیں۔

انشاء اللہ قیامت تک جس قدر بھی نئے مسائل سامنے آتے رہیں گے، اس کا شرعی حکم معلوم ہوتا رہے گا۔ اور مسلمان اس پر پورا اعتماد کر سکیں گے۔

واللّٰہ الموفق للصواب

(از امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ ـــــــ ماخوذ رسالہ ''قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل'')

سہ ماہی

خبر نامہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

جلد نمبر: ۵ | جولائی تا ستمبر ۲۰۱۱ء | شمارہ نمبر: ۴

ایڈیٹر

(مولانا) سید نظام الدین

خط و کتابت کا پتہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

Tel:. 011-26322991, Telefax:. 011-26314784

E-mail:aimplboard@gmail.com

ایڈیٹر پرنٹر و پبلیشر سید نظام الدین نے اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس دریا گنج نئی دہلی-۲ سے چھپوا کر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ 1/ 76A، مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵ سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	نئے مسائل کے حل کا طریقہ	(حضرت) مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ	
۲	پیغام	(حضرت) مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
۳	اداریہ	مولانا سید نظام الدین	۵
۴	مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں (مختصر رپورٹ)	وقار الدین لطیفی	۷
۵	کارروائی اجلاس مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ	مولانا رضوان احمد ندوی	۱۳
۶	حصول تعلیم — بچوں کا قانونی حق	مولانا محمد ولی رحمانی	۱۷
۷	ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کے مضر اثرات	محمد عبد الرحیم قریشی	۲۵
۸	.R.T.E میں ترمیم زیر بحث ہے!	مولانا محمد ولی رحمانی	۲۸
۹	تعدد ازدواج کا مسئلہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۳۰
۱۰	قاضی ایکٹ-ضرورت ومقاصد	محمد احمد کاظمی مرحوم	۳۳
۱۱	ہمارے موجودہ مسائل کا حل	مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی	۳۷
۱۲	جنرل سکریٹری بورڈ کا ایک اہم مکتوب	ادارہ	۳۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیغام

شریعت اسلامی کی حفاظت

(حضرت مولانا) سید محمد رابع حسنی ندوی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

ہندوستان میں مسلمانوں کی شہری حیثیت دیگر مذاہب کے ماننے والے شہریوں کی حیثیت سے کم نہیں ہے، اور ملک کی ترقی اور بہبودی میں تو دوسروں سے بھی آگے رہے ہیں، ملک کی آزادی کے لیے جدو جہد میں انہوں نے غیر معمولی حصہ لیا، اور اس کے سلسلہ میں یہاں کی اکثریت کے مقابلہ میں ان کی قربانی کم نہیں رہی، اور اس کو سب نے تسلیم کیا، اور ملک کو آزادی ملنے پر ملک کے دستور میں ان کے اور دیگر غیر مسلموں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا، اور دستور بنانے میں مسلمانوں کے نمائندے برابر سے شریک رہے، اس طرح اس دستور کو ملک کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت حاصل ہوگئی، دستور سیکولر رکھا گیا کہ جس کے تحت ملک کے باشندوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کا پورا حق دیا گیا اور اس میں حکومت کو مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں دیا گیا، مسلمانوں نے اس دستور کو مانتے ہوئے ملک کو اپنا وطن اور دستور کے مطابق طے کردہ ملکی نظام کو ایک آپس کے طے کردہ معاہدہ کی حیثیت سے تسلیم کیا، اس طرح ہندوستانی دستور کا ایک مشترکہ معاہدہ ہونے کی بناء پر اس کے سب فریق جب تک معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کریں گے معاہدہ باقی رہتا ہے، لہذا ہندوستان کے دستور کی جب تک پابندی رہے گی، اس کے رو سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے میں سب برابر ہیں۔

لہذا ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستانی دستور و قانون کی رو سے اپنے مذہبی ضابطہ یعنی شریعت اسلامی پر عمل کرنے کا پورا حق حاصل ہے، ان کا یہ مذہبی حق ان کو ملنے کی راہ میں رکاوٹیں پیش آئیں تو ان کا یہ فریضہ بنتا ہے کہ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا مطالبہ کریں اور قانونی دائرے میں جو کارروائی اختیار کی جاسکتی ہو اس کو اختیار کریں، یہ ان کا قانونی حق ہے اور بحیثیت ملک کے شہری ہونے کے یہ ان کی عزت و بقا کا معاملہ بھی ہے، لہذا اس کے لیے قابل عمل جدو جہد کرنا ان کا فرض بنتا ہے۔ اور خاص طور پر اس لیے بھی کہ ان کا مذہبی ضابطہ حیات خود ان کا طے کردہ نہیں ہے بلکہ وہ ان کے رب کا مقرر کردہ قانون ہے، جو ان کے خالق و مالک رب العالمین کی طرف سے ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے لہذا اس پر عمل کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ان کا لازمی فریضہ ہے۔

اور چونکہ مذہبی قوانین کا تحفظ بنیادی طور پر مسلمانوں کے تمام طبقات و مسلکوں کا مشترکہ مسئلہ ہے لہذا اس کے لیے آواز اٹھانے اور کوشش کرنے میں طاقت واثر انگیزی پیدا کرنے کے لیے مسلمانوں کے تمام طبقات کا اتحاد و باہمی تعاون ضروری ہے، خواہ یہ طبقات سیاسی ہوں یا معاشی، تعلیمی ہوں یا مسلکی، شریعت اسلامی کے تحفظ کا مسئلہ سب کا مشترکہ مسئلہ ہے، الحمدللہ یہ خوشی کی بات ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے تحفظ شریعت کے بنیادی مسئلہ میں مطلوبہ اشتراک عمل کو مسلکی اور طبقاتی اختلاف سے بلند ہو کر اختیار کیا ہے جو ہمارے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی شکل میں سامنے ہے، اور بورڈ نے اپنی اس اجتماعیت و شراکت سے اپنے کئی اہم مسائل کو متفقہ کوشش سے حل بھی کیا ہے، اس بورڈ کو تشکیل دینے والے ہمارے بزرگ زعمائے ملت نے ملت پر یہ احسان کیا کہ ایسے جامع و مشترک ادارہ کی تشکیل دی، یہ زعمائے ملت اکثر و بیشتر ہم سے جدا ہو کر اپنے رب کے حضور میں اپنے اس نیک عمل کے ساتھ حاضر ہو چکے ہیں، اور تحفظ شریعت کی یہ کارگزاری اپنے بعد کے لوگوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں، چنانچہ اب اس کارگزاری کے بقاء و اجراء کا بار ہم سب مسلمانوں کے ذمہ ہے، اس میں کمی یا کوتاہی ہماری کوتاہی کی بات ہوگی۔

لہذا امت کے مختلف مسلکوں اور طبقات کے درمیان نقطہائے نظر کا جو اختلاف ہے اس اختلاف کو شریعت اسلامی کے مشترکہ و متفقہ جدو جہد میں حائل ہونے سے بچانا بھی ہم سب کا فرض ہے، اور یہ اس طرح ہوگا کہ ہم اپنے ذاتی یا مسلکی رائے کو دوسرے کے ذاتی یا مسلکی رائے کے مقابلے میں کشمکش کا ذریعہ نہ بننے دیں، کیوں کہ اتحاد و اتفاق اسی وقت قائم رہتا ہے جب اجتماعی رائے کے مقابلہ میں انفرادی رائے کو رکاوٹ ڈالنے والی رائے نہ بننے دیا جائے۔ الحمدللہ ہم بورڈ کے ارکان اس امر کا خیال رکھتے رہے ہیں، اور اسی بناء پر بورڈ اپنی کارگزاری میں دشواری محسوس نہیں کرتا، بابری مسجد کا مسئلہ اوّلاً ایک طرح کا فروعی اور مقامی مسئلہ تھا لہذا اس کو بورڈ کی ذمہ داری سے باہر اور سیاسی سطح پر حل کرنے کی کوشش اختیار کی گئی تھی لیکن وہ کوشش سودمند نہیں ہوئی اور ناکامی کا خطرہ بڑھ گیا، تو بورڈ نے اس کو اپنی کارگزاری میں لیا، اور اس کے لیے اولاً صوبائی عدالت میں اس کے حل کی کوشش کی گئی، وہاں حل نہ ہونے پر وہ اب سپریم کورٹ میں پہونچایا گیا ہے، اس مسئلہ پر بھی مسلمانوں کے سب طبقات بورڈ کے ہم نوا ہیں اس لیے کہ وہ اب محدود سطح کا نہیں رہا، بلکہ پوری امت کا مسئلہ بن گیا ہے، لہذا اس کوشش کی ضرورت ہے کہ اس کو امت کے تمام طبقات و مسالک کی تائید و یکجہتی کے ذریعہ حل تک پہونچایا جاسکے، تاکہ اصل حقدار کو اس کا حق مل سکے، اور جب ہی مسلمانوں کو یہ احساس ہوسکے گا کہ اس ملک میں ان کا دینی و جمہوری حق محفوظ ہے اور اس کے بقاء کو خطرہ نہیں۔

یہ مسئلہ جب تک شریعت اسلامی کے فرعی معاملات کے تحت اہمیت رکھنے والا مسئلہ تھا، اس وقت تک بورڈ کے مقررہ دائرہ کار میں نہ تھا، لیکن اب وہ مشترکہ اور عمومی اہمیت تک پہونچنے کی وجہ سے بورڈ کے دائرہ کار میں آگیا ہے، اس لیے بورڈ اس کی اہمیت کے مطابق اس کے لیے کوشاں ہے، ورنہ بورڈ کے اصل دائرہ کار میں تحفظ شریعت کے وہ مشترکہ مسائل جن کی فکر بورڈ پر خاص طور پر آتی ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

۱)۔ ایک تو یہ کہ شریعت اسلامی پر عمل کرنے کا مسلمانوں کو جو دستوری حق حاصل ہے اس میں حکومتی سطح پر یا عدالتی سطح پر اگر تبدیلی لانے کی کوشش ہو تو بورڈ اپنے جمہوری و قانونی ذرائع سے اس کوشش کو روکنے اور شریعت کے بقا کی حفاظت کے لیے ضروری کارروائی کرے۔

۲)۔ دوسری ذمہ داری اسلامی شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے غیروں کی طرف سے جو کارروائی ہوتی ہو اس کے تدارک کے لیے ایک تدبیر یہ بھی اختیار کرے کہ غیروں کی اسلامی شریعت سے ناواقفیت کو دور کرنے کے لیے تفہیم کا طریقہ اختیار کرے، تاکہ شریعت اسلامی سے عدم واقفیت یا شکوک و شبہات جو غیروں کے ذہن میں آئے ہوئے ہیں ان کے دور ہونے کی صورت پیدا ہو، یہ کام تفہیم شریعت کے عنوان سے انجام دیا جاسکتا ہے، اس طرح غیروں کو ہماری دینی ضرورت کو اس کے صحیح شکل میں سمجھنے کا کام انجام پاسکے گا، اور اسلامی شریعت کے خلاف ناواقفیت کی بناء پر جو مخالفانہ فیصلے ہو جایا کرتے ہیں ان کا سدباب بڑی حد تک خود بخود انجام پاسکے گا۔

۳)۔ اسی کے ساتھ خود مسلمانوں میں سے جن میں اس سلسلہ میں عدم واقفیت یا بے عملی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے جس سے جو ہوسکتا ہو اس کو عمل میں لائے اور مسلمانوں کی اس سلسلہ میں جو بے عملی ہے اس کو دور کرنے کی فکر کرے، یہ کام بورڈ کی اور بورڈ کے ساتھ دیگر تمام جماعتوں اور اہل فکر و عمل کی مشترکہ ذمہ داری میں آتا ہے، اس سلسلہ میں اصلاح معاشرہ کی کوشش کارگر عمل ہے، مسلمانوں کے جو موجودہ حالات ہیں ان میں اس کام کی طرف بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔

۴) اسی کے ساتھ مسلمانوں کے وہ نزاعات جو شریعت کے احکام کے تحت آتے ہیں، ان کے لیے دارالقضاؤں کے قیام کی فکر کرے، تاکہ عین شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ حاصل کئے جاسکیں، اس میں شرعی احکام کی پابندی بھی ہے، اور طول وطویل مقدمات سے بچنے اور کم مصارف میں کام چلانے کا فائدہ بھی ہے، یہ کام متوازی عدالت کے کام کی طرح نہیں ہے یہ عوامی پنچایت کے طرز کا کام ہے، اسی لیے دستور و قانون کے خلاف نہیں بلکہ اس کے معاون کام ہے، اس میں ہم سب کو خاص طور پر بورڈ کے ارکان کو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینا چاہئے۔

مزید ایک بات یہ بھی کہنے کی ہے، کہ ان تمام کاموں میں اخراجات کے حصول کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے لہذا ان مذکورہ بالا کاموں کے لیے جو صرفہ آتا ہے اس کی طرف بھی اہل خیر مسلمانوں کو توجہ کرنا چاہئے، تاکہ مذکورہ بالا کام بخوبی انجام پاسکیں۔

اداریہ — مسلم پرسنل لا بورڈ ملت اسلامیہ ہند کی آواز

سید نظام الدین
جنرل سکریٹری بورڈ

اللہ تعالیٰ ہی نے ہم سب کو پیدا کیا ہے، جو پیدا کرتا ہے اور کسی شئی کو بناتا ہے، وہی اس کے نفع ونقصان سے پوری طرح واقف ہوتا ہے اور اسی کا بنایا ہوا قانون اس کے لئے کارآمد ہوسکتا ہے؛ اس لئے انسانیت کے حق میں اس کے خالق و مالک کے بھیجے ہوئے قانون سے بڑھ کر کوئی اور قانون مفید اور مصلحت سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا، خدا کا بھیجا ہوا قانون وہ شریعت ہے جو ہر نبی کے ذریعہ آتی رہی ہے اور جو سب سے مکمل اور آخری شکل میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی، اب اسی سے قیامت تک انسانیت کی فلاح و کامیابی اور آخرت میں نجات متعلق ہے۔

شریعت اسلامی ایک جامع نظام حیات ہے، جس میں عقیدہ و عبادت سے لے کر زندگی کے تمام شعبوں کے لئے بہترین رہنمائی موجود ہے، اسی کا ایک حصہ وہ قوانین ہیں، جو سماجی زندگی سے متعلق ہیں جیسے نکاح، طلاق وتفریق، نفقہ، میراث، وصیت وہبہ اور رشتہ داروں کے حقوق وغیرہ، سماجی زندگی سے متعلق ان قوانین کی جڑیں براہ راست کتاب و سنت میں پیوست ہیں اور مسلمان دنیا میں جہاں بھی ہوں، وہ ان پر عمل کرنے کے پابند ہیں، انہی قوانین کو ''مسلم پرسنل لاء'' کہتے ہیں، ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی عائلی زندگی میں شرعی قوانین پر عمل کرنے کی آزادی ملے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں برطانوی عہد میں علماء کی کوششوں سے شریعت اپلیکیشن ایکٹ 1937 پاس ہوا۔

جب ملک آزاد ہوا تو دستور میں بنیادی حقوق کے تحت اقلیتوں کے لئے اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے کے حق کو تسلیم کیا گیا، لیکن رہنما اصول میں بعض ایسی دفعات بھی شامل رکھی گئیں، جو اس بنیادی حق کے مغائر تھیں؛ چنانچہ مسلمانوں نے اسی وقت اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا؛ مگر اس پر توجہ نہیں دی گئی، آخر اندیشے صحیح ثابت ہونے لگے اور حکومت کی طرف سے بعض ایسے قوانین متعارف کرانے کی کوشش کی گئی، جو واضح طور پر شریعت اسلامی میں مداخلت کی راہ ہموار کرتے تھے، اسی پس منظر میں ہمارے بزرگوں نے ۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی بنیاد رکھی، جس میں امت کے تمام مکاتب فکر، جماعتوں اور تنظیموں کو شامل رکھا گیا اور اس طرح دین وشریعت کے تحفظ کے لئے پوری امت میں قدم سے قدم اور مونڈھے سے مونڈھا ملا کر اپنا سفر شروع کیا، اللہ کا شکر ہے کہ یہ قافلہ اب بھی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، نیز امت کا اتحاد واتفاق اور تائید وتقویت اللہ کی مدد کے بعد بورڈ کی سب سے بڑی قوت ہے۔

ہندوستان میں اس وقت بھی مسلمان مختلف مسائل سے دو چار ہیں، عدالت کے ذریعہ شریعت کے قانون طلاق کی غلط تشریح کا سلسلہ جاری ہے، ایسی طاقتیں جن کو ملک کا سیکولزم اور یہاں کی تکثیریت پسند نہیں، وہ عدالتوں کی وساطت سے مسلم پرسنل لاء کو مجروح کرنے کے لئے کوشاں ہیں، ادھر متعدد ایسے قوانین پاس ہوئے ہیں جو شرعی اصولوں سے متصادم اور مسلمانوں کے مفادات کے مغائر ہیں، اس سلسلہ میں خاص طور پر موجودہ قانون وقف اور رائٹ ٹو ایجوکیشن کا نام لیا جاسکتا ہے اور اب مجوزہ ''راست انکم ٹیکس'' کی تلوار سر پر کھڑی ہوئی ہے، بورڈ اپنے محدود وسائل کے ساتھ عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کر رہا ہے، سیاسی

سطح پر قانون کی اصلاح کے لئے کوشاں ہے، رائے عامہ کو بھی بیدار کرنے کی سعی کی جارہی ہے، معاشرہ کی اصلاح، قانون شریعت سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ اور نظام دارالقضاء کی توسیع بورڈ کے خصوصی اہداف ہیں اور کمیٹیاں ان کاموں کے لئے سرگرم عمل ہیں؛ لیکن یہ کوشش اسی وقت بارآور ہوسکتی ہیں جب ملت اسلامیہ بورڈ کی پشت پر کھڑی ہو اور ملک وقوم کو محسوس ہو کہ اس کی آواز پوری امت کی آواز ہے۔

بورڈ کا یہ خبرنامہ ہمارے باہمی رابطہ کا ایک اہم ذریعہ ہے، اس کے ذریعہ آپ نہ صرف بورڈ کی سرگرمیوں سے واقف ہوسکتے ہیں؛ بلکہ بورڈ کا بنیادی پیغام، عائلی زندگی سے متعلق شرعی قوانین، سماجی برائیوں کے بارے میں قرآن وحدیث کی ہدایات اور ان کے تدارک کے لئے مطلوبہ تدابیر پر بھی روشنی ڈالی جاتی ہے؛ تاکہ یہ صرف ادارہ کا خبرنامہ نہ رہے؛ بلکہ دعوت وتذکیر اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں بھی اپنا کردار ادا کرے۔

اس پس منظر میں قارئین سے درخواست ہے کہ وہ اپنی مفید نگارشات سے بھی نوازیں اور اس مجلّہ کی توسیع اشاعت میں بھی حصہ لیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اپنے فضل وکرم سے اس ملک میں شریعت اسلامی کے تحفظ کا سامان مہیا فرمائے۔

۞۞۞

بقیہ: تعدد ازدواج کا مسئلہ

افسوس کہ آج کل عموماً یہی صورت حال ہے، دوسرا نکاح کسی ضرورت یا سنجیدہ جذبہ کے تحت نہیں کیا جاتا؛ بلکہ پہلی بیوی کو تکلیف پہونچانے یا اس سے بے تعلق ہوجانے کے خیال سے کیا جاتا ہے اور نکاح کے بعد اس کے ساتھ ظلم وناانصافی روا رکھی جاتی ہے، نیز بعض اوقات اس کے برعکس صورت حال پیش آتی ہے، یعنی دوسرے نکاح کے وقت تو نئی دلہن سے بہت عہد وپیماں کئے جاتے ہیں اور ہتھیلی میں جنت دکھائی جاتی ہے؛ لیکن نکاح کے بعد سرد مہری کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے اور بعض دفعہ پہلی بیوی اور اس کے بچوں کی دباؤ کی وجہ سے دوسری بیوی کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب ہوتا ہے اور سارے وعدے فراموش کردیئے جاتے ہیں اور اگر شوہر جلد دنیا سے گذر گیا تو پوری جائداد پر پہلی بیوی اور اس کے بچے قابض ہوجاتے ہیں اور اس وقت یہ دوسری بیوی اور ان کے بچوں کی حالت نہایت ناگفتہ ہوتی ہے۔

پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ دوسرا نکاح کرتے ہیں، وہ عمر کی مناسبت کا لحاظ نہیں کرتے، اپنی عمر، ۵۰، ۶۰ تک ہوتی ہے اور انتخاب کرتے ہیں بیس سال کی لڑکی کا، اس میں کئی مفاسد ہیں: پہلی بیوی کے بچے اس کو ماں کہنے میں حجاب محسوس کرتے ہیں، دوسرے: نفسیاتی طور پر دوسری بیوی کے لئے یہ تکلیف دہ معاملہ ہوتا ہے اور جنسی ناآسودگی بعض دفعہ دامن عفت کو تارتار کرکے رکھ دیتی ہے، تیسرے: مرد اس حال میں دنیا سے رخت سفر باندھتا ہے کہ دوسری بیوی سے پیدا ہونے والی اولاد تعلیم وتربیت کی محتاج ہوتی ہے اور اس کے لئے کوئی پرسان حال باقی نہیں رہتا؛ اس لئے ضروری ہے کہ اگر دوسرا نکاح کیا جائے تو وہ ضرورت کو ملحوظ رکھ کر ہو، سنجیدہ جذبہ کے ساتھ ہو، دونوں کے لئے الگ الگ رہائش کا انتظام ہو، شریعت کے اصول کے مطابق دونوں بیویوں سے پورا پورا انصاف کیا جائے اور دوسرے نکاح کے لئے عمر کی مناسبت سے عورت کا انتخاب ہو، ان امور کی رعایت کے بغیر ایک سے زیادہ نکاح زیادہ تر فساد وانتشار، بچوں میں اختلاف ونفرت نیز شوہر اور دونوں بیویوں کے لئے سکون قلب سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے اور یہ شریعت کا نام لے کر شریعت کو بدنام کرنے کی کوشش ہے!

۞۞۞

مرکزی دفتر بورڈ کی سرگرمیاں

(مختصر رپورٹ)

مرتب: وقار الدین لطیفی ندوی

حالیہ مہینوں میں بورڈ کی سرگرمیوں پر مشتمل ایک مختصر روداد ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔

- ۱۹؍جون ۲۰۱۱ء کی مجلس عاملہ کی مکمل کارروائی افادۂ عام کی خاطر الگ سے اس شمارہ میں شامل کی جارہی ہے۔
- ۱۱؍جولائی ۲۰۱۱ء کو اس میٹنگ کی مکمل کارروائی بحکم و ہدایت حضرت جنرل سکریٹری بورڈ محترم تمام ارکان عاملہ کی خدمت میں روانہ کی گئی۔
- مذکورہ بالا میٹنگ میں خاص طور پر فراہمی مالیات کے سلسلہ میں منظور کی جانے والی قرارداد کی روشنی میں محترم جنرل سکریٹری بورڈ نے تمام ارکان کی خدمت میں حسب ذیل خط تحریر فرمایا تاکہ بورڈ کو مالیات کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے جو دفتر بورڈ سے مؤرخہ ۱۶؍جولائی ۲۰۱۱ء کو روانہ کیا گیا۔

مکرم ومحترم/مکرمہ ومحترمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نام کے ساتھ ہی ذہن کے پردے پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کے مناظر سامنے آجاتے ہیں، آج سے ۳۹ سال پہلے ۲۷/۲۸؍دسمبر ۱۹۷۲ء کو ممبئی میں مسلم پرسنل لا کنونشن منعقد ہوا تھا، اس تاریخی اجلاس میں پورے ملک سے تمام مسلم تنظیموں، مسالک اور فرقوں کے ایک ہزار سے زائد نمائندے شریک ہوئے تھے، خلافت تحریک کے بعد پہلی بار سارے مسلمان بلا تفریق مسلک ومشرب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے، پھر چند مہینوں کے بعد ہی ۶؍۷؍اپریل ۱۹۷۳ء میں حیدر آباد میں جملہ نمائندگان کا اجلاس ہوا اور باضابطہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی جس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ باتفاق آراء بورڈ کے پہلے صدر اور حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ (امیر شریعت رابع) جو اس تحریک کے روح رواں تھے، بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، اس طرح تحفظ شریعت کا یہ قافلہ چلا جواب تک بورڈ کے طے کردہ مقاصد کی روشنی میں سرگرم عمل ہے۔

اور آج الحمد للہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ کی صدارت ورہنمائی میں اپنی بنیادی ذمہ داری پوری کر رہا ہے اور آگے بڑھ رہا ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد آپ سے عرض کرنا ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔ شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کی حفاظت کے لیے جد و جہد کرنا، خارجی اعتبار سے بھی اور داخلی اعتبار سے بھی۔ یعنی پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں یا عدالت کے فیصلوں کے ذریعہ اگر شریعت اسلامی میں مداخلت کی جائے تو اس کا مقابلہ کرنا اور داخلی اعتبار سے اگر خود مسلمانوں میں شریعت اسلامی پر عمل کرنے میں کوتاہی پائی جائے تو اس کے لیے اصلاح معاشرہ کی تحریک چلانا اور مسلمانوں کو یہ بتانا کہ مسلمانوں کے لیے جس طرح ایمان وعقیدہ کے اعتبار سے پختگی ضروری ہے اسی طرح اعمال و اخلاق کے اعتبار سے بھی مسلمانوں کو سچا مسلمان ہونا چاہئے۔ یعنی ہم ایک ایسے صالح اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کریں جس میں کسی شخص کو اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے انحراف کی ہمت نہ ہو، اگر خاندانی معاملات میں جھگڑا ہو جائے تو اسکو سرکاری عدالت میں لے جانے

کے بجائے علماء کے مشورہ سے دار القضاء میں لا کر قاضی شریعت سے فیصلہ حاصل کریں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان اور مدعوئین کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں تمام مسلمانوں کو کلمہ واحدہ کی بنیاد پر متحد و منظم رکھیں ،آئندہ نسل کے لیے دینی تعلیم کا مکمل انتظام ہو اور موجودہ الحاد کے دور میں نوجوانوں اور عورتوں کی ذہن سازی کی جائے ،عورتوں کو دینی معلومات فراہم کرائی جائیں ،اسلام میں ان کو جو عزت دی گئی ہے اور مسلم معاشرہ میں جو انکا حق ہے اس سے واقف کرائیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ بورڈ کے سارے پروگرام اور منصوبے معمول کے مطابق چل رہے ہیں ، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ میں مقدمات کی پیروی ہو رہی ہے، اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں اجتماعات ہو رہے ہیں، دار القضاء کے نظام کو وسعت بھی دی جا رہی ہے، تفہیم شریعت کے جلسے بھی ہو رہے ہیں جس میں علماء اور جدید قانون کے ماہر وکلاء ایک ساتھ بیٹھ کر تبادلہ خیال کرتے ہیں ۔اس وقت ہمارے سامنے ان سب کاموں کو باقاعدہ طور پر انجام دینے کے لیے بورڈ کو مالی اعتبار سے مضبوط اور مستحکم کرنا ہے، تاکہ موجودہ دور کے تقاضے کے مطابق بورڈ کی جدو جہد کو لوگوں تک پہونچایا جائے ، اس کے لیے مفید لٹریچر کی تیاری اور جدید ذرائع ابلاغ کا حصول ضروری ہے۔

ہندوستان بہت بڑا ملک ہے پورے ملک میں بورڈ کے مقاصد کی اشاعت اور شریعت اور شعائر اسلام کے تحفظ کی خدمت اور اس کے لیے باصلاحیت افراد کی خدمات حاصل کرنا اور مرکزی دفتر کو فعال اور متحرک بنانا، اس کے لیے ایک بڑے سرمایہ کی ضرورت پڑیگی۔

<u>بورڈ کے حالیہ عاملہ کے اجلاس میں صدر بورڈ نے تمام ارکان سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنی فیس رکنیت کے علاوہ اپنے حلقہ اثر سے ایک معقول رقم مہیا کر کے مرکزی دفتر دہلی کو بھیج دیں ۔</u>

یہ خط اسی اہم ضرورت کے پیش نظر آپ کی خدمت میں بھیجا جا رہا ہے ۔آپ ہفتہ دس روز مالی فراہمی کی تحریک چلا کر بورڈ کے مالی استحکام میں اپنا مخلصانہ تعاون پیش کریں۔ والسلام

- اسی طرح ہر سال کی طرح امسال بھی محترم جنرل سکریٹری صاحب نے رمضان کی مناسبت سے تمام ارکان بورڈ کے نام ایک انتہائی دردمندانہ اور مخلصانہ خط تحریر فرمایا، جس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اس شمارہ میں علیحدہ سے شائع کیا جا رہا ہے کہ بورڈ کے ارکان میں سے جن کے پاس یہ خط نہ پہنچا ہو ان تک پہنچ سکے اور اس کے علاوہ بہت سے حضرات وہ بھی ہیں جو بورڈ کے رکن تو نہیں لیکن بورڈ سے ہمدردانہ ومخلصانہ تعلق رکھتے ہیں اور ہمہ وقت بورڈ کے لئے فکر مند رہتے ہیں۔ جو بذریعہ ڈاک مؤرخہ ۱۰/اگست ۲۰۱۱ء بورڈ کے دفتر سے روانہ کیا گیا۔

تفہیم شریعت کمیٹی:

- آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس ۲۳/اور ۲۴/اپریل کو دار العلوم حیدر آباد میں منعقد ہوا جس کی کارروائی گزشتہ شمارہ میں دی جا چکی ہے، اسی عاملہ کے موقع پر بورڈ کے سکریٹری اور تفہیم شریعت کمیٹی کے کنوینر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے حسب ذیل رپورٹ پیش کی تھی:

یہ ایک حقیقت ہے کہ کچھ تو قانون شریعت کے بارے میں ذرائع ابلاغ کے فرقہ پرست عناصر مغالطہ انگیزی سے کام لیتے ہیں اور اسلام کو بدنام اور مسلمانوں کو رسوا کرنے کے لئے دیدہ ودانستہ شریعت اسلامی اور مسلم سماج کی غلط تصویر پیش کرتے ہیں؛ لیکن بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو احکام شریعت سے ناواقف ہیں اور ایسے لوگ نہ صرف برادران وطن میں ہیں ؛ بلکہ مسلمانوں میں بھی ہیں اور جدید تعلیم یافتہ حضرات میں ایسے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے، اس پس منظر میں بورڈ ابتداہی سے محسوس کر رہا تھا کہ اسلامی قانون کی صحیح تشریحات اور احکام شریعت کے مصالح لوگوں کے سامنے آئیں ؛ تاکہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے، چنانچہ اس سلسلہ میں شروع ہی سے بورڈ کی جانب سے مفید لٹریچر شائع ہوتے رہے ہیں، بورڈ کے اجلاس ۲۰۰۵ء منعقدہ بھوپال میں یہ بات سامنے آئی کہ تفہیم شریعت کے کام کو زیادہ باضابطگی کے ساتھ اور منظم طور پر انجام دینے کی

ضرورت ہے؛ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی، جس کے کنوینر مولانا جلال الدین عمری صاحب مقرر ہوئے؛ لیکن جماعت اسلامی کی تنظیمی ذمہ داری متعلق ہونے کے بعد مولانا نے معذرت کرلی، اس کے بعد صدر بورڈ نے اس حقیر سے یہ ذمہ داری متعلق کی۔

تفہیم شریعت کے دو پہلو ہیں: ایک قانون دانوں اور دانشوروں کو قانون شریعت اور خاص کر مسلم پرسنل لا کے بارے میں واقف کرانا، دوسرے قانون شریعت کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، ان کو دور کرانا؛ چنانچہ ان دونوں مقاصد کے تحت دہلی اور لکھنؤ میں تفہیم شریعت کمیٹی قائم ہوچکی ہے، جناب قاسم رسول الیاس صاحب اور جناب ظفریاب جیلانی صاحب ان کمیٹیوں کے کنوینر ہیں، اورنگ آباد میں امارت شرعیہ مرہٹواڑہ کے تحت تفہیم شریعت کمیٹی کا قیام عمل میں آچکا ہے، ہر ماہ اس کا اجلاس ہوتا ہے، دو بار جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اور یہ حقیر یہاں وکلاء کے اجلاس میں شریک ہوچکے ہیں، اندور میں بھی تفہیم شریعت کے سلسلہ میں وکلاء اور صحافیوں کا بڑا اجلاس وہاں کے پریس کلب میں منعقد ہوا اور مستقل کمیٹی کی تنظیم کی بات ابھی وہاں چل رہی ہے، حالیہ چند مہینوں میں امارت شرعیہ کرناٹک کے تحت بنگلور اور گلبرگہ میں تفہیم شریعت کے بڑے اہم پروگرام ہوئے ہیں، بنگلور کے پروگرام میں ذمہ داران بورڈ میں مولانا کاکا سعید احمد عمری صاحب، مولانا محمد سراج الحسن صاحب، مولانا سید نظام الدین صاحب، جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب، جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، جناب کے رحمٰن خان صاحب اور یہ حقیر شریک تھے، امیر شریعت کرناٹک حضرت مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب کے زیر صدارت منعقد ہونے والے اس اجلاس میں تقریباً پانچ سو وکلاء، صحافی، دانشوران اور خطباء مساجد شامل تھے، گلبرگہ میں خود صدر بورڈ کی بھی تشریف آوری ہوئی اور جناب عبدالرحیم قریشی صاحب اور یہ حقیر بہ حیثیت مہمان مقرر شریک ہوئے، یہاں تقریباً تین سو وکلاء شریک تھے، اور خواجہ گیسو دراز انجینئرنگ کالج کا آڈیٹوریم اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامنی کا منظر پیش کررہا تھا، یہاں رات میں ہفت گنبد میدان میں عظیم الشان اجلاس عام بھی ہوا، گلبرگہ کا پروگرام بھی حضرت امیر شریعت کرناٹک کے زیر نگرانی منعقد ہوا۔

۲۷/ مارچ کو دارالقضاء احمد آباد کی دعوت پر حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب کے زیر صدارت شہر کے ایک وسیع ہال میں تفہیم شریعت کا پروگرام منعقد ہوا، جس میں احمد آباد ہائی کورٹ اور گجرات کے مختلف شہروں کے نیچے کے کورٹ کے تین سو سے زائد وکلاء شریک ہوئے، ان میں بار ایسوسی ایشن کے ممبران اور کچھ ججیز بھی شامل تھے، نیز ۲/ اپریل کو کیرالہ کے شہر کوچی میں جناب محمد سراج ابراہیم سلیمان سیٹھ کی کوششوں سے شہر کے مرکزی ہوٹل میں وکلاء اور قانون دانوں کے لئے تفہیم شریعت کا پروگرام رکھا گیا، اس میں کئی برسر کار اور ریٹائرڈ ججیز بھی شریک ہوئے، جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب، جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب اور اس حقیر نے بہ حیثیت مہمان شرکت کی، اور مولانا عبدالشکور قاسمی صاحب نے حسب ضرورت ملیالم میں ترجمہ کا فریضہ انجام دیا، ان تمام پروگراموں میں حاضرین کے سوالات کے جواب بھی دئے گئے اور مقامی ذرائع ابلاغ نے بھی اہمیت کے ساتھ خبریں شائع کیں۔

ان پروگراموں کے علاوہ بورڈ کی متعدد ایسی کتابوں کے ہندی ترجمہ کی سفارش بھی کی گئی تھی، جو تفہیم شریعت کے نقطۂ نظر سے اہمیت کی حامل ہیں اور بورڈ کی جانب سے شائع ہوتے رہے ہیں، چنانچہ بعض رسائل کا ہندی اور دوسری مقامی زبانوں میں ترجمہ بھی ہوا ہے، کوچین اجلاس کے موقع سے اس حقیر کی تحریر ''خواتین کے مالی حقوق'' کا ملیالم ترجمہ حضرت مولانا علی میاں اکیڈمی کیرالہ نے شائع کیا، اور اسی اجلاس میں اس کی رسم اجرا بھی عمل میں آئی۔

در اصل تفہیم شریعت کا کام بہت اہم ہے اور اس کے لئے ضرورت تین قسم کے افراد کی ہے، ایسے علماء کی جو فقہ سے خصوصی مناسبت رکھتے ہوں اور پرسنل لا سے متعلق مسائل کی تفہیم کرسکتے ہوں، نیز ان کے حکم و مصالح کو بھی واضح کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، دوسرے: ایسے قانون دانوں کی جو قانون شریعت کا مطالعہ رکھتے ہوں اور علماء کے ساتھ اس میں تعاون کرسکتے ہوں، تیسرے: ایسی فعال اور متحرک شخصیات کی جو

تنظیمی صلاحیتوں کی حامل ہوں اور پروگراموں کے انعقاد اور لٹریچر کے ترجمہ اور ان کی اشاعت میں مدد و معاون بن سکتے ہوں، افسوس کہ کام کی اہمیت کے لحاظ سے افراد کا تعاون حاصل نہیں ہو پا رہا ہے؛ اسی لئے میں آپ تمام حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ جو حضرات اس میں تعاون کر سکتے ہوں، وہ براہ کرم اپنے نام، پتے اور فون نمبرات بورڈ کے دہلی دفتر میں مولانا وقار الدین لطیفی صاحب کو لکھا دیں، اسی طرح اگر آپ کے علاقہ میں کچھ لوگ اس کام کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہوں تو ان کے نام، پتے اور فون نمبرات لکھائیں؛ تاکہ اس مقصد کے لئے ایسے لوگوں کو جمع کیا جائے، ایک تربیتی پروگرام رکھا جائے اور پورے ملک تک اس کام کو منظم طور پر پہنچایا جائے۔

لیگل سیل:

● سکریٹری بورڈ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے مرکزی حکومت کے بعض اہم ذمہ داروں سے وقف بل، ڈائریکٹ ٹیکسیس کوڈ بل اور رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ کے سلسلہ میں کئی ملاقاتیں کیں اور بورڈ کی طرف سے بھرپور نمائندگی کی اور اس سلسلہ میں مستقل وہ اس کے لئے کوشاں ہیں اور خطوط و ملاقات کا سلسلہ جاری ہے ان سب کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ شمارہ میں دی جائے گی۔

● وقف بل کے سلسلہ میں راجیہ سبھا کی سلیکٹ کمیٹی آن وقف کے چیئرمین جناب پروفیسر سیف الدین سوز صاحب نے وقف بل پر تبادلہ خیال کی غرض سے بورڈ کے وفد سے ۳؍اکتوبر ۲۰۱۱ء کو سہ پہر چار بجے ملاقات کی اس وفد میں سکریٹری بورڈ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب، اسسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب، ارکان عاملہ جناب شہزادہ شبیر بھائی نورالدین صاحب، جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب، جناب اسدالدین اویسی صاحب ایم پی اور جناب کمال فاروقی صاحب شامل تھے، یہ ملاقات پارلیمنٹ کے انیکسی میں ہوئی۔ انشاء اللہ اسکی تفصیل بھی آئندہ شمارہ میں دی جائے گی۔

کیرالا ہائی:

● جیسا کہ اس سے قبل کے شماروں میں یہ بات آ چکی ہے کہ کیرالا ہائی کورٹ میں قرآن وسنت سوسائٹی نامی تنظیم کی طرف سے ایک رٹ داخل کی گئی ہے جسمیں شریعت کے قانون وراثت کو چیلنج کیا گیا ہے، بورڈ اس کے خلاف پیروی کر رہا ہے۔ ۲۶؍جولائی ۲۰۱۱ء کو اسکی پیشی تھی اور اسی سلسلہ میں سکریٹری بورڈ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے ۲۴؍جولائی ۲۰۱۱ء کو مرکزی وزیر قانون جناب سلمان خورشید صاحب سے ملاقات کی اور انہوں نے اپنے خط کے ساتھ درج ذیل تحریر ان کی خدمت میں پیش کیا۔

Dear Mr. Salman Khurshid,

As Salaam Alai kum wa Rahmatullah,

The Quran and Sunnat Society, Kerala has filed a case at Kerala High Court that the Constituion of India doesn't discriminates on the basis of sex but as implemented in India the Quranic Law discriminates on the basis on Sex and in inheritance brothers as compared to sisters are entitled for the double of the share in inheritance. So this Quranic law is against the approach of so Indian Constitution.

In the petition, it has been requested that Quranic Law should be replaced, and without discrimination on the basis of sex males and females should be made equal share holder so that the approach of constitution of India can be implemented.

This is as open secret that this approach of the Quran and Sunnat is against the constitution of India's fundamental right (Religious practice), basic tenets and is to harass the Government of India in an unnecessary way

1. So, in the Kerala High court, Additional Solicitor General of the

edicts of the Quran and therefore there is gross discrimination particularly against Muslim women in the matter of succession and further contended that the said provision, which is "Law" of the law is violatiove of constitution guarantees given under Article 14,15,19,21 and 25 of the Constitution of India.

2. Interpretation of the Verse 176 of Ayat 4. The contention of the petitioners is that those who have framed the Shariat have misinterpreted "the word walad" to mean "male child" only. The misinterpretation of the holy Quranic edicts, as now practice in India has lead to patent discrimination against female children alone, while the sons who succeed to their mother's or father's property need not share any portion of the inherited properties with anyone of the deceased's relative other than spouse and parents of the deceased.

3. There is discrimination not only between man and women but also between Shiya and Sunnis in the implementation of the Shariat, which is a clear deviation from the Quranic Principle because Shiyas law permit female child to inherit entire property to the exclusion of others. Where as under Sunni Law if deceased leaves only daughter the she has to she property with the other male relative of the deceased.

4. If there is true interpretation of the Government of India, should be given the instruction that he should request in the court, that Attorney General, himself wants to appear in front of the court, so the date should be forwarded ahead.

2. At the same time, Attorney General should be given instruction that he should appear and plead at the Kerala High court in this case.

●Re: Before The Hon'ble Court of Kerala At Ernakulam

W.P. (C) No. 31299 of 2008

Kruran Sunnath Society & Ors. ... Petitioner

v/s

Union of India and Ors. ... Respondents

Notes:

The Petitioners have field the above referred Petition for the following relief's.

i. To declared that the practice now following by the Muslim based on shariat, which is a law under Article 13, in regard to inheritance of Muslim women is violative of Article 14, 15, 19,21 and 25 of the Constitution of India and therefore, void and unenforceable.

ii. To issue such order writs, orders or direction as this Hon'ble Court may deem fit and proper in the circumstance of the case.

The contention raised by the Petitioners in the Petition are as under:

1. In India the Law relation to succession is not strictly in terms of the

the changing needs of the society to achieve this the inequality meted out to the women among Muslims in the matter of inheritance and succession will have to be removed and they be given an equal right in the terms of the Constitution principle under Article 14,15 and 25 of the Constitution as the change were brought in Christian Community after the well known Mary Roy case and John Vallamattam Case decided by the Supreme Court.

9. There cannot be discrimination between Muslim men and women, between a Shiya Muslim and Sunni Muslim and a Sunni Muslim in India and Muslim of the Country and other Citizen of the Country.

وفیات:

ارکان بورڈ میں مفتی محمد ظفیر الدین صاحب ۳۱/مارچ ۲۰۱۱ء (دربھنگہ، بہار)، جناب محمد شفیع مونس صاحب ۶/اپریل ۲۰۱۱ء (دہلی)، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب ۲۵/جولائی ۲۰۱۱ء (علی گڑھ) مولانا ابوالطیب احمد میاں فرنگی محلی صاحب ۲۴/ستمبر ۲۰۱۱ء (لکھنؤ)

غیر ارکان میں سکریٹری بورڈ حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کے چچازاد بڑے بھائی حضرت مولانا شاہد روح اللہ قاسمی صاحب کا طویل علالت کے بعد ۹/اکتوبر ۲۰۱۱ء کو خانقاہ رحمانی مونگیر میں، رکن بورڈ مولانا ڈاکٹر یسین علی عثمانی بدایونی صاحب کے بڑے بھائی جولائی ۲۰۱۱ء کے مہینہ میں، رکن بورڈ مولانا محفوظ الرحمٰن فاروقی (اورنگ آباد) کی والدہ محترمہ ستمبر ۲۰۱۱ء میں اور مفتی عبدالعزیز صاحب رکن شوری دیوبند ۲/اپریل ۲۰۱۱ء کو اس دار فانی سے جدا ہو گئے اللہ ان سب کی مغفرت فرمائے اور ان سب کے درجات بلند فرمائے۔

❁❁❁

principle of Muslim personal Law based on the edicts of the Holy Quran then daughter cannot be discriminated from sons and the Law of Inheritance should be in terms of correct Quranic principles and not subject to the distortion of those principles by a section of the Muslim clergy and leadership.

5. The daughter must be entitled to succeed to the properties as sons otherwise it will amount to discrimination between man and women, which is not permitted under the Indian Constitution.

6. Another injustice that prevails in the customs follows by the community today is that if the deceased son or daughter predeceased him/her then the dependents - spouse and children- of that predeceased son/daughter are deprived of right to property of the deceased. Whereas rules to this effect have been enforce in some Arab Muslim countries like Egypt, Syria, Morocco and Tunis. Similar measures are also taken in Pakistan vide Muslim Law Ordinance 1961, where grand children are allowed to inherit their predeceased father's share on the property.

7. In several Muslim Countries like Egypt, Pakistan, Indonesia etc the right of inheritance is granted to close relatives of the predeceased children.

8. Shariat can be made more practicable and workable to adopt itself to

کارروائی اجلاس مجلس عاملہ بورڈ نئی دہلی

مرتب: رضوان احمد ندوی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ۱۹/ جون ۲۰۱۱ء یکشنبہ کو صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کی صدارت میں نیو ہورائزن اسکول، نزد مقبرہ ہمایوں، حضرت نظام الدین، نئی دہلی میں ساڑھے دس بجے دن منعقد ہوا جس میں حسب ذیل اصحاب نے شرکت فرمائی:

۱۔	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب صدر بورڈ	لکھنؤ
۲۔	مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری بورڈ	پٹنہ
۳۔	جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب سکریٹری بورڈ	حیدرآباد
۴۔	مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب سکریٹری بورڈ	مونگیر
۵۔	جناب پروفیسر ریاض عمر صاحب خازن بورڈ	دہلی
۶۔	مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب	دہلی
۷۔	ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس صاحب	دہلی
۸۔	جناب محمد جعفر صاحب	دہلی
۹۔	مولانا احمد علی قاسمی صاحب	دہلی
۱۰۔	مولانا اسرارالحق قاسمی صاحب	دہلی
۱۱۔	جناب کمال فاروقی صاحب	دہلی
۱۲۔	جناب محمد رحیم الدین انصاری صاحب	حیدرآباد
۱۳۔	جناب اسدالدین اویسی صاحب ایم پی (بیرسٹر)	حیدرآباد
۱۴۔	مولانا عتیق احمد بستوی صاحب	لکھنؤ
۱۵۔	مولانا سید ارشد مدنی صاحب	دیوبند
۱۶۔	جناب ظفریاب جیلانی صاحب (ایڈووکیٹ)	لکھنؤ
۱۷۔	حکیم مولانا محمد عبداللہ مغیثی صاحب	میرٹھ
۱۸۔	مولانا حکیم محمد عرفان حسینی صاحب	کولکاتہ
۱۹۔	مولانا حافظ سید اطہر علی صاحب	ممبئی
۲۰۔	پروفیسر سعود عالم قاسمی صاحب	علی گڑھ
۲۱۔	مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب	جئے پور
۲۲۔	محترمہ ڈاکٹر صفیہ نسیم صاحبہ	لکھنؤ
۲۳۔	محترمہ پروفیسر مونسہ بشریٰ عابدی صاحبہ	ممبئی
۲۴۔	ڈاکٹر اسماء زہرا صاحبہ	حیدرآباد

مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے کلام پاک کی تلاوت فرمائی۔

جس کے بعد صدر اجلاس نے فرمایا کہ موجودہ صورت حال میں بہتری کے لئے یہ ضروری ہے کہ دفتری انتظام وانصرام کے لئے بہتر صلاحیت رکھنے والے موزوں شخص کو مقرر کیا جائے جو دفتر اور دفتری عملہ کو کنٹرول بھی کرے، دفتر آنے والوں کا بہتر طریقہ پر استقبال کرے اور ان سے مناسب انداز میں گفتگو کرے اور بورڈ کی مصلحتوں سے واقف بھی ہو، ایسے شخص کو دفتر میں مستقل بحال کیا جائے اور ایسی صلاحیتوں والے شخص کی تلاش کی جائے اور یہ کام دو ماہ کے اندر کر لیا جائے۔ صدر بورڈ نے مزید فرمایا کہ بورڈ کا موضوع ملک میں شریعت کا تحفظ ہے مگر ہم لوگوں نے دوسرے مسائل کو بھی ساتھ لے لیا ہے۔ ہم کو بورڈ کے دائرہ کے اندر کام کرنا چاہئے اور مشترکہ امور میں دوسری جماعتوں کے ساتھ باہمی تعاون ہونا چاہیے۔ صدر بورڈ نے اس طرف بھی توجہ دلائی کہ بورڈ کی مالی حالت کمزور ہے اور مسائل بہت ہیں، اس لئے بورڈ کے ارکان کو اس کے مالی موقف کی طرف بھی توجہ کرنا چاہئے۔ مالیات کے اعتبار سے بورڈ اگر مضبوط ہو تو کام کرنے میں قوت پیدا ہوگی، بورڈ کے ملازمین کی تنخواہیں اس لئے کم ہیں کہ ہمارے پاس آمدنی کم ہے۔ اگر دفتر کو کارگر وفعال اور متحرک بنانا ہو تو کئی افراد پر مشتمل عملہ کو بحال کرنے

کی ضرورت ہے اور اس کے لئے بھی مالی موقف کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر محترمہ صفیہ نسیم صاحبہ (لکھنو) نے تجویز پیش کی کہ بورڈ کی ممبر شپ فیس کم ہے۔ یہ فیس دو ہزار روپئے سالانہ کردی جائے تو فیس کے ذریعہ ہی خاصہ مالیہ فراہم ہوگا۔ صدر بورڈ نے فرمایا کہ ممبر شپ فیس بڑھانا ٹھیک نہیں معلوم ہوتا البتہ ارکان اپنے حلقہ میں تحریک چلا کر مالی تعاون حاصل کریں۔ ڈاکٹر سعود عالم قاسمی صاحب نے کہا اس وقت ضرورت کم سے کم تین اصحاب کو دفتر میں بحال کرنے کی ہے جس میں ایک دفتری امور و مراسلت کو دیکھے دوسرا رابطہ کا کام کرے اور تیسرا شخص علمی کام کرنے والا ہو اور ان تینوں کی کیا صلاحیتیں ہونی چاہئے انھیں بھی متعین کیا جائے۔ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب کہا کہ عاملہ میں جو فیصلے ہوتے ہیں ان کو عملی شکل دینے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ضرورت بورڈ کے دفتر و شعبوں میں محسوس ہوتی ہے ہر شعبہ میں فیصلوں کو عملی شکل دینے کے لئے اقدامات کرنے والا ذمہ دار ہونا چاہئے۔ لیکن مالی وسائل کی کمی اس راہ میں حائل ہے۔ مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے کہا کہ مالیات کے سلسلہ میں ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس کا ایک سکریٹری ہو جو مالیات کے سلسلہ میں سفر کیا کرے۔ مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری نے کہا کہ اس سے پہلے جو وفد کے دورے ہوئے اس سے مالی فائدے حاصل ہوئے۔ اس وقت لیگل فنڈ میں رقم جمع ہو رہی ہے لیکن بورڈ کے جنرل فند میں رقم کم ہے۔ ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے کہا کہ اس وقت دفتر کی تنظیم کو مضبوط کرنے پر گفتگو ہو رہی ہے۔ ہم کو بعض بنیادی کاموں کے تعلق سے جیسے دارالقضا کے قیام، تفہیم شریعت وغیرہ کے سلسلہ میں جو فیصلے ہوئے ہیں ان کے نفاذ پر بھی غور کرنا چاہئے۔ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کا قانون بن رہا ہے اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں جو کمیٹیاں بنی ہیں وہ متحرک اور منظم نہیں ہیں۔ مونگیر کے اجلاس کے فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا گیا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ بہتر افراد بحال کئے جائیں اور کام کو آگے بڑھانے کے لئے مؤثر پلاننگ ہو۔ بورڈ کے لئے فنڈس کی وصولی کوئی مشکل مسئلہ نہیں ہے۔ بورڈ کے اجلاس کے موقعہ پر بھاری اخراجات کئے جاتے ہیں ان پر کنٹرول ہونا چاہئے جناب کمال فاروقی صاحب نے کہا کہ دفتر کی تنظیم اور باصلاحیت افراد کی بحالی کا موضوع بہت اہم ہے اس کو موجودہ مالی موقف کے پس منظر میں نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ اس کے لئے مالیہ کی فراہمی اور اضافہ کی کوشش کرنا چاہئے۔ کمال فاروقی صاحب نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ میٹنگ کا ایجنڈہ غور وفکر کر کے تیار کیا جائے، رپورٹنگ اور ریکارڈنگ کا انتظام کیا جائے، میڈیا سے رابطہ رکھا جائے اور لیگل فنڈ کو راز رکھا جائے۔ جناب ظفر یاب جیلانی صاحب نے تجویز پیش کی کہ ہر ممبر پر ذمہ داری عائد کی جائے کہ وہ ہر سال کم سے کم دس ہزار روپے بورڈ کو فراہم کرے اور ان کو رسید بک دی جائیں تاکہ وہ عطیہ دینے والوں کو رسیدیں وہیں کا وہیں دے سکیں۔ جناب ریاض عمر صاحب خازن بورڈ نے کہا کہ رسید بک دینا مناسب نہیں ہے۔ آڈٹ میں دشواری ہوگی۔ رقم ملنے پر دفتر سے رسید دی جائے۔ ان مباحث میں یہ نقطہ نظر عام رہا کہ بورڈ کے ارکان مالیہ کی فراہمی پر توجہ دیں اور اس کو اپنی ذمہ داری سمجھیں۔ جنرل سکریٹری مولانا سید نظام الدین صاحب نے کہا کہ بورڈ اور بورڈ کے دفتر کی کارکردگی میں اضافہ اور اس میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مالی موقف کو بہتر بنایا جائے اور اس کے لئے بورڈ کے ہر رکن کو اپنی فیس رکنیت کے علاوہ سالانہ کم سے کم دس ہزار روپے سے جتنا زیادہ ہو سکے عطیات بورڈ کو فراہم کرنا چاہئے۔ جنرل سکریٹری صاحب نے اس تعلق سے تمام ارکان بورڈ سے اپیل کی اور یہ امید ظاہر کی کہ بورڈ کا ہر رکن اس پر توجہ دے گا۔ مولانا سید نظام الدین صاحب نے مزید کہا کہ بورڈ کی کمیٹیوں کا باقاعدہ ہر سال اجلاس ہونا چاہئے اور اس نشست میں سال بھر کے لئے پروگرام بنایا جائے، کمیٹیوں کے سلسلہ میں ڈاکٹر قاسم رسول الیاس صاحب نے کہا کہ کمیٹیوں کی مٹینگس سال میں کم سے کم دو مرتبہ ہونی چاہئے اور مرکزی دفتر میں دارالقضا اور اصلاح معاشرہ کے کام کے لئے ایک آدمی کی بحالی عمل میں لائی جائے۔ مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ کمیٹیوں میں ایسی تجاویز پیش کی جائیں جو عملاً ممکن ہو اور مالیہ کی فراہمی کے لئے دو چار افراد کو ہر ریاست کا دورہ کر کے مالیہ حاصل کرنا چاہئے۔ محترمہ اسماء زہرہ صاحبہ نے کہا کہ خواتین کا جو اجتماع دہلی میں منعقد ہوا تھا اس سے بہت فائدہ ہوا ہے۔ چنئی میں بھی خواتین کی ایک میٹنگ ہوئی اور کامیاب رہی ہے۔ محترمہ مونسہ بشریٰ صاحبہ نے کہا کہ پونہ میں خواتین کا اجتماع کامیاب رہا۔

اورنگ آباد اور دیگر مقامات پر بھی خواتین کے پروگرام ہونے چاہئے۔ محترمہ صفیہ نسیم صاحبہ نے کہا کہ خواتین کے پروگرام بورڈ کی سرپرستی میں منعقد ہوں تو بہتر ہے۔ انھوں نے لکھنو میں صوبائی کانفرنس کا ارادہ ظاہر کیا اور اس کی اجازت طلب کی۔ جناب کمال فاروقی صاحب نے کہا کہ خواتین پر اعتماد کر کے کام کو وسعت دی جاسکتی ہے۔ سکریٹری بورڈ اور مرکزی کنوینر اصلاح معاشرہ مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ دہلی میں خواتین کا جو اجتماع ہوا تھا اس میں دہلی کی بورڈ ممبر خواتین اور دہلی اور اس کے قریبی مقامات کی خواتین کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس لئے دوسرے مقامات کی بورڈ کی ممبر خواتین کو مدعو نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ اجتماع دہلی، میرٹھ اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں کے خواتین تک محدود تھا۔ سب مل جل کر کام کریں تو ایسا پروگرام مہاراشٹر اور دیگر ریاستوں میں بھی منعقد ہوسکتا ہے۔

مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری نے کہا کہ خواتین اصلاح معاشرہ میں بڑا اہم رول ادا کرسکتی ہیں۔ تحریک اصلاح معاشرہ پروگرام مرتب کرے اور صوبائی سطح پر کام شروع کیا جائے۔ تاکہ خواتین کو لانے سفر کی زحمت اٹھانی نہ پڑے۔

مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری نے اجلاس کو بتایا کہ ویب سائٹ کی تیاری کا کام جاری ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اس تعلق سے بہت عمدہ خاکہ پیش کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس کی اہمیت ہے اور موجودہ تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہم کو کام کرنا چاہئے۔ البتہ اس کے لئے فنڈ کی بھی ضرورت ہے اس موقعہ پر کمال فاروقی صاحب نے اپنی خدمات پیش کی۔

اجلاس میں اس مسئلہ کو بھی پیش کیا گیا کہ عاملہ کے اجلاس اور عمومی اجلاس میں مدعوئین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اس پر مولانا سید اطہر علی صاحب نے کہا کہ جس مقام پر اجلاس ہوتا ہے وہاں تعاون کرنے والے اصحاب کو اجلاس میں مدعو کی حیثیت میں بلایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ البتہ کوشش یہ ہو کہ یہ تعداد زیادہ نہ ہو اور ان کی نشست ارکان کی نشست سے علیحدہ رکھی جائے ایک میٹنگ صرف ارکان عاملہ کی ہو اور دوسری میٹنگ میں مدعوئین کو بھی شرکت کی اجازت دی جائے۔ جناب کمال فاروقی صاحب نے کہا کہ مقامی حضرات کو بلانے پر کوئی اعتراض نہیں مگر دور کے حضرات اور دور کے شہروں کے اصحاب کو بلایا نہ جائے۔ مولانا سعو عالم قاسمی نے کہا کہ عاملہ کے ارکان کی تعداد اور بورڈ کے ارکان کی تعداد کا کوئی فیصد رکھا جائے اور اتنی ہی تعداد میں مدعوئین کو شریک کیا جائے ڈاکٹر قاسم رسول الیاس نے کہا کہ مجلس عاملہ کے اجلاس میں کوئی مدعو نہ ہو۔ صرف بورڈ کے اجلاس میں مدعوئین ہوں۔

محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے کہا کہ ایجنڈہ کے موضوع کے لحاظ سے اس پر رائے رکھنے اور رائے دینے والے اصحاب کو چاہے کہ عاملہ یا بورڈ کے اجلاس میں ضرور بلانا چاہئے، مگر یہ تعداد محدود ہو یہ مدعوئین بورڈ کسی موضوع پر فیصلہ کرنے میں بڑی مدد دے سکتے ہیں۔ مولانا عبداللہ مغیثی صاحب نے کہا کہ عمومی اجلاس میں مدعوئین کو بلایا جانا مناسب ہے، البتہ مجلس عاملہ میں ماہرین فن میں سے چند اہم اصحاب کو مدعو کیا جائے۔ مدعوئین کی فہرست لانبی نہ ہو۔ جناب رحیم الدین انصاری صاحب نے کہا کہ جس مقام پر اجلاس رکھا جاتا ہے وہاں کے اہم اور معروف اصحاب کو اور تعاون کرنے والے لوگوں کو مدعو کرنا ضروری ہے البتہ ان کی تعداد زیادہ نہ ہو۔ حیدرآباد کے حالیہ اجلاس کے لئے مدعوئین کی فہرست خود جنرل سکریٹری صاحب نے روانہ کی تھی جو پچاس سے زیادہ ناموں پر مشتمل تھی۔ مقامی مدعوئین کی تعداد حیدرآباد کے اجلاس میں زیادہ نہیں تھی۔ باہر کے وہ اصحاب تھے جن کے نام جنرل سکریٹری صاحب نے روانہ کئے تھے۔ مولانا عتیق احمد بستوی صاحب نے کہا کہ مجلس عاملہ کی میٹنگ دہلی میں ہوا کرے اگر ضرورت محسوس ہو تو چند اصحاب کو خصوصی دعوت دی جائے البتہ اجلاس عام میں مدعوئین ہوں۔ ان کی فہرست طے ہونی چاہئے ماہرین کو بھی اسی میں بلایا جائے اور ان کی رائے لی جائے اس پر اجلاس کا اتفاق رہا کہ جس مقام پر اجلاس منعقد ہو وہاں کے اہم اشخاص واہم معاونین اور ایجنڈہ کے موضوعات کے اگر ماہرین ہوں تو مدعو کیا جائے مگر مدعوئین کی تعداد زیادہ نہ ہو اور مدعوئین کی نشستیں، ارکان کی نشستوں سے علیحدہ رکھی جائیں۔

قانون حق تعلیم اطفال کے بارے میں محمد عبدالرحیم قریشی صاحب نے بتایا کہ قانون ۲۰۰۹ء میں منظور ہوا اور یکم اپریل ۲۰۱۰ء سے نافذ کیا گیا اس کے مکمل نفاذ کے لئے تین سال کی مدت رکھی گئی۔ اس

قانون کے مکمل نفاذ کے بعد وہ دینی مدارس قائم نہ رہ سکیں گے جہاں ۱۴ سال سے کم عمر کے بچے پڑھتے ہیں کیونکہ ان بچوں کے لئے سرکاری نصاب کے مطابق آٹھویں کلاس تک کی تعلیم کو ان کا بنیادی حق قرار دیا گیا ہے اور اس بنیادی حق کے لئے والدین اور سرپرستوں کو ذمہ دار قرار دیا گیا یہ دستور کی دفعات ۲۵ اور ۲۶ کے خلاف ہے۔ اس طرح اقلیتوں کے زیر انتظام اسکولوں کا کوئی زمرہ قانون میں نہیں ہے۔ ان کا شمار خانگی اسکولوں میں ہوگا جن کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اطراف واکناف کے طلباء کو کم از کم ۲۵ فیصد تک داخلہ دیں اور انتظامیہ میں اولیائے طلباء کی ۷۵ فیصد نمائندگی ہو۔ ظاہر ہے اس کے بعد انتظام اسکول قائم کرنے والی اقلیتی طبقہ کی سوسائٹی کے ہاتھ سے نکل جائے گا جبکہ دستور کی دفعات ۲۹ اور ۳۰ کے ذریعہ لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو اپنی پسند کے تعلیمی اداروں کے قیام اور ان کے انتظام کا حق دیا گیا ہے۔ اس قانون کے ان مضر اثرات کو اب لوگ محسوس کرنے لگے ہیں۔ مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے کہا کہ حق تعلیم کے قانون کے جائزہ کا کام اورنگ آباد اجلاس میں ان کے سپرد کیا گیا تھا جس کے بعد انھوں نے ارکان کی رائے حاصل کی اور کئی نشستیں رکھیں۔ ایک کتاب بھی شائع کی۔ ایک موقع پر متعلقہ وزیر مسٹر کپل سبل نے وعدہ کیا تھا کہ مذہبی تعلیمی اداروں کی خاطر قانون میں ترمیم کی جائے گی لیکن ترمیم کرنے کی بجائے انھوں نے گائیڈ لائنس جاری کئے۔ گائیڈ لائنس ایکٹ یا قانون کا مقام نہیں رکھتے اور اس کے ذریعہ اس میں ترمیم نہیں ہوتی ہے اس ایکٹ میں کیا ترمیمات ہوں ان کے الفاظ بھی کپل سبل صاحب کو پہنچائے جا چکے ہیں یہ ایکٹ انتہائی خطرناک ہے اس سے طلباء میں مسابقت کا مزاج ختم ہو جائے گا اور آٹھویں جماعت کا نصاب مکمل کرنے والی ایسی نسل نکلے گی جس میں کوئی صلاحیت اور علمی استعداد نہ ہوگی۔

مولانا محمد ولی صاحب نے یہ بھی کہا کہ جامعہ ملیہ کا اقلیتی کردار بڑا اہم ہے اور کپل سبل صاحب اس کو ختم کرنے پر تلے ہیں اس تعلق سے کچھ نہ کیا گیا تو ایک وقت ایسا آئے گا کہ سب کچھ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔ یہ مسئلہ اگرچہ بورڈ کے دائرۂ کار میں نہیں آتا۔ مگر کیا کیا جائے۔

انکم ٹیکس قانون کی جگہ ڈائرکٹ ٹیکسس کوڈ آئندہ سال سے نافذ کیا جائے گا اس میں وہ چھوٹ جو انکم ٹیکس قانون کے تحت مذہبی عبادت گاہوں اور مذہبی اسکول اور خیراتی کام کرنے والے اداروں کو حاصل تھی ختم کر دی گئی ہے اس کے خلاف سب اقلیتوں سکھوں، بدھسٹوں اور عیسائیوں کو شامل کر کے کام کیا جا سکتا ہے۔ محترمہ مونسہ بشریٰ عابدی صاحبہ نے کہا کہ بورڈ کی قیادت اس مسئلہ میں دیگر اقلیتوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے جناب ظفریاب جیلانی صاحب نے کہا کہ حق تعلیم کا ایکٹ ہمارے بنیادی حقوق کو سلب کرنے کی کوشش ہے۔ اس تعلق سے حکومت پر دباؤ بنانے کی ضرورت ہے' مولانا محمد ولی صاحب نے کہا کہ اس کے خلاف مہاراشٹر اور دہلی میں احتجاجی جلسے ہوں اور تحریک چلائی جائے اس میں فرقہ وارانہ تشدد کے تعلق سے جو بل بنا ہے اس کو بھی شامل کیا جائے۔ کمال فاروقی صاحب نے دہلی میں احتجاجی جلسہ کو ضروری قرار دیا اور اس کی ذمہ داری لی۔

مولانا عبداللہ مغیثی صاحب نے کہا کہ وہ اس کا آغاز کریں گے اور ۲۶/ جون کو مغربی یوپی کے کیرانہ میں ایک بھاری احتجاجی جلسہ منعقد کریں گے۔ کمال فاروقی صاحب نے کہا کہ ان احتجاجی جلسوں میں وقف ڈیولپمنٹ اور وقف بل پر بھی کہا جائے۔ طے کیا گیا کہ احتجاجی پروگرام منظم کیا جائے۔ ۲۶/ جون کو مغربی یوپی میں احتجاجی جلسہ سے اس کا آغاز ہوگا اور دہلی' ممبئی، حیدرآباد، لکھنؤ، چنئی، پٹنہ اور علی گڑھ میں ان کا انعقاد عمل میں آئے گا۔ دہلی اور لکھنؤ کے جلسے رمضان سے پہلے منعقد ہوں گے جن کی ذمہ داری جناب کمال فاروقی صاحب نے قبول کی۔ مولانا فضل الرحیم مجددی صاحب نے ۲/ ہزار روپے فیس رکنیت کی مد میں اور (۲۵) ہزار روپے سالانہ عطیہ دینے کا وعدہ فرمایا۔

اس اجلاس کے دوران صدر محترم نے یہ بھی فرمایا کہ ہر اجلاس عاملہ کے بعد ذمہ داروں کی ایک میٹنگ ہوا کرے جس میں کئے گئے فیصلوں کے عملی پہلو پر اور ان کی عمل آوری پر غور کیا جائے اور بورڈ کی سرگرمیوں کی خبر میڈیا میں ضروری آنی چاہئے۔ اجلاس کے اختتام پر صدر اجلاس نے فرمایا کہ یہ اجلاس بہت کارآمد ہے۔ اللہ ہماری کوتاہیوں کو دور فرمائے اور باہمی تعاون سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' ان ہی کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

حصول تعلیم ـــ بچوں کا قانونی حق

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی (سکریٹری بورڈ، مونگیر)

بات بڑے اطمینان کی ہے، کہ وطن عزیز میں تعلیم کی طرف پوری توجہ دیجارہی ہے، اور ۲۰۰۹ء میں پارلیمنٹ نے وہ قانون منظور کرلیا، جس کا نام ہے ''مفت اور لازمی تعلیم، بچوں کا بنیادی حق، ایکٹ ۲۰۰۹ء'' ـــــ یہ خوش آیند قانون ہے، جو نوعمروں کی تعلیم کی شاہراہ کھولتا ہے، مسودہ قانون کی شکل میں کوئی دو برس اس پر غور کیا جاتا رہا ہے، اور قانون بننے کے بعد یکم اپریل ۲۰۱۰ء سے اسے نافذ کردیا گیا ہے ـــ مرکزی حکومت نے تعلیم کو عام کرنے کے لیے بہت بڑی رقم بھی خاص کردی ہے، اس مرکزی ایکٹ کے پیش نظر صوبوں میں بھی قانون سازی ہوگی، تاکہ پورے ملک میں چھ سال سے چودہ سال کے نوعمروں کے لیے یکساں تعلیمی مواقع فراہم کئے جاسکیں، اور آنیوالے دنوں میں ہندوستان کا ہر انسان کم از کم آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کرلے۔ مرکز کے قانون سازوں نے مانا ہے کہ حصول تعلیم ہر بچہ کا حق ہے، ہر والدین کا فرض ہے، ہر استاد کی ذمہ داری ہے!

مرکزی حکومت کے اس جذبہ کی قدر کرنی چاہیے، اور اس کے استحکام اور اثر انداز ہونے کی دعا بھی کرنی چاہئے، ـــــ اس قانون نے جہاں ہر ہندوستانی بچہ کو ''مفت لازمی تعلیم'' کا حق دیا ہے، وہیں یہ بھی بتاتا ہے کہ تعلیم کیا ہے؟ بچہ (چھ سے چودہ سال) کی تعلیم کہاں ہوگی؟ ـــ والدین اور اساتذہ کی ذمہ داری کیا ہے؟ اس عمر میں بچے کن موضوعات کو پڑھیں گے، ـــ بچہ کو علم کے نئے افق سے آشنا کرانے کے لیے درجات کی ترقی کس طرح ہوگی؟ تعلیم کس قسم کی تعلیم گاہوں میں دیجائے گی؟ ـــ ان تعلیم گاہوں کی انتظامیہ کیسی ہوگی؟ ـــ تعلیم گاہوں کے قیام کا حق کس طرح کے اداروں کو ہوگا؟ ـــ اور کارگذار تعلیم گاہیں حکومت کے متعین معیار کو پورا نہیں کرتیں، تو تعلیم گاہوں کے ساتھ حکومت کیا رویہ اپنائے گی؟ ـــ اگر چھ سے چودہ سال تک کے نوعمروں کو وہ تعلیم نہیں دی گئی، جو حکومت نے متعین کی ہے، تو وہ استاد اور ویسی تعلیم گاہیں کیا بچوں کے ''حق تعلیم'' سے محروم کرنے والے سمجھے جائیں گے؟ ـــ اور کیا انھیں مجرم مانا جائے گا؟ ـــ یہ نیا قانون ان سارے سوالوں کے جواب دیتا ہے ـــ ضرورت ہے کہ قانون کا بھرپور جائزہ لیا جائے، خوش گمانی اور بدگمانی سے الگ ہوکر ـــ اور اس ایکٹ نے نافذ ہونے کے بعد اقلیتوں کے اداروں کی کیا صورتحال ہوگی، اسے بھی دیکھا جائے:

پہلا سوال یہ ہے کہ تعلیم کیا ہے؟ - اس ایکٹ کا جواب یہ ہے کہ ''تعلیم وہ ہے جسے حکومت قانون سازی کے ذریعہ متعین کرے'' - اس کی مزید تفصیل ایکٹ کی مختلف شقوں اور دفعات میں کی گئی ہے، مثلاً

دفعہ ۳ (A) ہر بچہ کا حق ہے کہ کل وقتی ایلمنٹری ایجوکیشن فارمل اسکول میں اس طرح دی جائے جو اطمینان بخش اور معیاری ہو، اور جو لازمی طور طریقوں اور معیار کے مطابق ہو۔

کل وقتی Full Time اور ایلمنٹری ایجوکیشن Elementary Education کی تشریح ایکٹ میں اس طرح ہے:

دفعہ ۲ F- پہلی جماعت سے لیکر آٹھویں جماعت تک کی تعلیم، ایلمنٹری ایجوکیشن ہے۔

"Elementry education" means the education from first class to eigth class

یہ تعلیم اسکول میں دی جائے گی، اور ایکٹ نے وضاحت کی ہے کہ '' اسکول سے مراد (حکومت کا) منظور کردہ اسکول ہے جو ایلمنٹری ایجوکیشن دیتا ہو۔

School means anyrecognised school imparting elementary education"

''بچوں کے مفت اور لازمی حصول تعلیم کے حق'' کے قانون کی ان دفعات پر غور کیا جائے، تو جو باتیں سامنے آتی ہیں، وہ اس طور پر ہیں کہ:

۱- تعلیم وہ ہے جسے حکومت یا اس سے متعلق ادارے قانوناً تعلیم مانیں۔

۲- تعلیم وہ ہے جو کسی فارمل Formal اسکول میں کل وقتی اطمینان بخش طور پر حاصل کی جائے۔

۳- تعلیم وہ ہے جو حکومت یا اس سے متعلق ادارے کے طے کردہ معیار اور طور طریقوں کے مطابق ہو۔

۴- تعلیم وہ ہے جسے حکومت الیمنٹری ایجوکیشن مانتی ہے، اور جو پہلی جماعت سے آٹھویں جماعت تک دی جاتی ہے۔

۵- تعلیم وہ ہے جو حکومت کے نامزد اسکولوں میں چھ سال کی عمر سے چودہ سال کی عمر تک (یا اس سے زیادہ عمر تک $\frac{1}{2}$) حاصل کی جائے۔

اوپر لکھی تفصیلات کو ذہن میں رکھیے اور پھر اس قانون کی دفعہ ۸ کی تشریح Explanatioan پڑھیے:

The term compulsory education means obligation of the appropriate Government to __

i- Provide free elementary education for every child of the age of six to forteen Years.

ii- Ensure compulsary admission, attendance and completion of elementary education of every child of the age six to forteen Years.

یعنی لازمی تعلیم کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ داری ہوگی کہ:

۱- مفت ایلمنٹری ایجوکیشن ہر بچہ کو دی جائے جس کی عمر چھ سال سے چودہ سال تک ہو—— چھ سے چودہ سال کے ہر بچہ/بچی کے اسکول میں داخلہ، حاضری اور ایلمنٹری ایجوکیشن کی تکمیل کو یقینی بنائے۔

یہ تفصیلات بتاتی ہیں کہ چودہ سال کی عمر تک بچہ/بچی کا حکومت کے اسکول میں داخلہ لازمی ہے، اور ایسا کرنا ہر جوابدہ حکومت کی ذمہ داری ہے—— بچوں کے اساتذہ اور والدین اگر کل وقتی Full Time ایلمنٹری ایجوکیشن نہ دیں تو وہ بھی حکومت کی ذمہ داری نبھانے میں رکاوٹ بننے والے (یعنی مجرم) ہونگے، اور جو ادارہ کل وقتی مکمل ایلمنٹری ایجوکیشن نہیں دے گا، وہ ادارہ بھی مجرم ہوگا—— اسی طرح وہ تعلیمی ادارے بھی مجرم ہوں گے، جو حکومت کے طور طریقوں کے مطابق تعلیم نہ دیں یا حکومت کے بنائے ہوئے تعلیمی اور تعمیری ضابطوں کو پورا کر کے حکومت سے تعلیم دینے کی اجازت حاصل نہ کرلیں

17-(5) Any person who establishes or runs a school without obtaining certificate of recognition, or continues to run a school after withdrawal of recognition, shall be liable to fine which may extend to one lakh rupees and in case of continuing, contravention to a fine of ten thousand rupees for each day during which such contravention continues.

(وہ شخص جو اسکول کی منظوری کا سرٹیفکٹ حاصل کئے بغیر اسکول چلاتا ہے، یا منظور شدہ اسکول کی منظوری کے رد ہونے کے باوجود اسکول چلاتا ہے، اسے ایک لاکھ روپے تک جرمانہ ادا کرنا ہوگا، اور سلسلہ تعلیم جاری رکھنے کی شکل میں روزانہ دس ہزار روپے جرمانہ کی رقم ادا کرنی ہوگی)

مدارس اور پرائیوٹ اسکول

اب ذرا سوچئے، چھ سے چودہ سال کے نوعمروں کے لیے ''تعلیم حاصل کرنے کی گنجائش'' صرف حکومت کے قائم کیے ہوئے یا منظور کیے ہوئے اسکول میں ہے- ان اسکولوں کے سوا متعلق عمر کے بچوں کے لیے نہ کوئی اسکول ہے، نہ تعلیمی ادارہ، نہ مدرسہ، نہ مکتب، نہ پاٹھشالہ، نہ گروکل—— اور قانون صاف کہتا ہے کہ اگر اس متعین عمر والے کو کسی نے پڑھایا تو وہ مجرم ہے—— اس لیے اس قانون کے بعد مدارس یا پاٹھشالاؤں کا وجود ''خلاف

قانون'' ہے، اس ایکٹ کی دفعہ ۸/ میں ہے:

No school to be established without obtaining certificate of recognition

(یعنی منظوری کی سرٹیفکٹ حاصل کئے بغیر کوئی بھی اسکول قائم نہیں کیا جاسکتا-!)

اسی دفعہ کی پانچ ذیلی دفعات ہیں۔ جنمیں اوپر لکھے قانون کی مزید صراحت، وضاحت کے ساتھ قانون شکن کی سزا بھی تجویز کی گئی ہے ـــــ میں واضح کیا گیا ہے:

No school, other than school established, ownd or controlled by the appropriate Government or the local authority, shall, after the commensment of this Act, be established or function, without obtaining a certificate of recognition from such authority, by making an application in such form and manner, as may be prescribed.

(متعلقہ حکومت یا لوکل اتھارٹی کے قائم کردہ یا زیر انتظام اسکولوں کے سوا کوئی اسکول، اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد، نہ قائم کیا جاسکتا ہے نہ کام کرسکتا ہے، جب تک کہ وہ حکومت کے مقرر کردہ طریقہ پر اور فارم کے ذریعہ درخواست دیکر متعلقہ اتھارٹی سے ''منظوری'' کی سرٹیفکٹ حاصل نہ کرلے،)

قانون کے یہ الفاظ وضاحت کررہے ہیں، کہ چھ سے چودہ سال کے بچوں کی تعلیم کیلئے کوئی بھی ادارہ نہ قائم کیا جاسکتا ہے اور نہ چلایا جاسکتا ہے۔ جبتک کہ وہ حکومت کے طریقہ کے مطابق کام نہ کرے، اور ایسے ادارہ کے چلانے کی باقاعدہ منظوری حاصل نہ کرلے ـــــ ظاہر ہے کہ اس قانون کے تحت مدارس کے چلانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

بات صرف مدارس کی ہی نہیں ہے، جو لوگ اسکول چلا رہے ہیں، اور حکومت کے پسندیدہ نصاب پڑھا رہے ہیں، اگر تعلیمی اور تعمیری اصول اور ضابطے پورا نہیں کرتے، تو انھیں بھی تین برسوں میں سارے ضابطوں کو اپنانا ہوگا، ورنہ وہ تیار ہوجائیں ایک لاکھ جرمانہ دینے کے لیے! اور جرمانہ کی ادائیگی کے بعد بھی اسکول بند کرنا ہوگا، اگر ایسے اسکول نارمس Norms کو پورا نہیں کرتے! (2)

لازمی حق تعلیم ایکٹ اور دستور ہند کی بنیادی دفعہ ۳۰

دستور ہند کی دفعہ ۳۰ ملک میں آباد اقلیتوں کو حق دیتی ہے، کہ وہ اپنی پسند کے تعلیمی ادارے بنائیں اور چلائیں ـــ ''یہ بنیادی حق'' دستور ہند نے اس لیے دیا کہ وطن عزیز کی مذہبی، تہذیبی اور لسانی اقلیتیں اپنے مذہبی، تہذیبی، لسانی تحفظات کے ساتھ ہندوستان کا ''مطمئن حصہ'' بنی رہیں- اس ''بنیادی حق'' کے موجود ہوتے ہوئے، اقلیتی اداروں کے بنانے اور چلانے میں اقلیتوں کو کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیے تھی، مگر حکومتوں نے آزادی کے بعد ادارہ قائم کرنا مشکل ترین کام بنا دیا اور پورے آدھی صدی یہ صورتحال قائم رہی، اور دستور ہند کی بنیادی حق کی دفعہ بے چارگی کے ساتھ حاشیہ پر کھڑی رہی ـــــ حکومتوں نے اسکول قائم کرنے کے لیے اجازت نامہ NOC کی شرط لگادی، پھر یہ شرط بھی بڑھی دی کہ ''اقلیتی ادارہ'' ہونے کی سرٹیفکٹ حکومت دے گی، یہ دونوں حکومتی احکام دستور ہند کی بنیادی حق کی دفعہ ۳۰ سے ٹکرا رہی تھیں، مگر پچپن سال سے زیادہ عرصہ تک اقلیتوں کے ادارہ قائم کرنے میں رکاوٹیں آتی رہیں۔

صرف NOC حاصل کرنے کے لیے اقلیتی اداروں کو کیا دشواری پیش آتی رہی، اس کی مثالیں ملک کے اکثر صوبہ میں موجود رہی ہیں، میرے علم میں ایسے ادارے ہیں، جو تیس سال تک NOC حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے، اور ہمیشہ ناکامی سے واسطہ پڑتا رہا، بعض ادارہ کو NOC اسی وقت ملا، جب بہار لیجسلیٹو کانسل کے ڈپٹی چیرمین نے تعلیمی شعبہ کے ذمہ داروں کو پھٹکار لگائی ـــــ کچھ ایسا ہی معاملہ ''اقلیتی ادارہ'' ڈیکلیر کرنے کا ہے، سیدھی بات ہے کہ حکومت قانون بنادیتی یا سرکلر جاری کردیتی کہ اقلیتی ادارہ کی یہ شرطیں یا یہ خصوصیات ہوں گی، مگر حکومت (خواہ وہ صوبوں کی ہو یا مرکز کی) نے ایسا نہیں کیا، آزاد ہندوستان کے تعلیمی نظام کا دردناک رخ یہ بھی رہا ہے کہ اقلیتی ادارہ کا سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے لیے اقلیتی اداروں کو ہائی

کورٹ اور سپریم کورٹ کے برسوں چکر لگانے پڑے ہیں۔(3)

حکومت کی اس طرح کی شرارتوں سے برسہابرس اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کو واسطہ رہا ہے ـــــ ادارہ مسلمان بنائیں، مگر یہ ہے ''اقلیتی ادارہ'' ـــــ اس کا سرٹیفکٹ حکومت جاری کرے، ہے یہ عجب سی بات! ـــــ یہ ٹھیک ویسے ہی ہے ـــــ جیسے حکومت یہ قانون بنادے کہ بچہ کا نسب اسی وقت ثابت ہوگا جب ہاسپٹل سپرینٹیڈنٹ ڈیکلیر کردے کہ یہ فلاں کا بچہ ہے ـــــ آج تک پارلیمنٹ یا قانون ساز اداروں نے ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جس کے ذریعہ NOC اور اقلیتی ادارہ کی شرطیں متعین ہوں، مسلمانوں اور اقلیتوں کے تعلیمی اداروں کو پریشان کرنے کا کام پچپن سال تک کسی رخنہ اندازی کے بغیر جاری رہا، اب مائینوریٹی ایجوکیشن انسٹی ٹیوشن کمیشن کی وجہ اقلیتوں نے ذرا اطمینان کی سانس لی ہے، تو یہ تازہ ایکٹ آ گیا ـــــ اس ایکٹ میں یہ شرط لگادی گئی ہے کہ کوئی بھی اسکول منظوری Recognition کے بغیر نہیں کھولا جاسکتا۔ ایکٹ میں ہے:

18- (1) No School, other than a school stablished, owned or controlled by the appropriate Government or the local authority, shall, after the commencement of this Act, be eshtablished or function, wilthout obtaining a certificate of recognition from such authority, by making on application in such form and manner, as may be prescribed.

اس دفعہ اور اس ایکٹ سے حوصلہ پاکر صوبائی حکومتیں پہلے تو ریکوگنیشن کی شرطیں متعین کرنے میں برسوں برس لگادینگی اور جب شرطیں طے پائیں گی، تو وہ کچھ اس طرح ہوں گی۔

For obtairing recognition, every school must have..... acre of land ..... required puacca buildig with.....SFT carpet areca and full streight of students tleachers and stlaff

اس طرز کی چیزیں Recognition کے لئے ضروری ہوں گی، بظاہر یہ قابل اعتراض چیزیں نہیں ہیں ـــ مگر ذرا سوچئے ـــ اسکول کی آٹھویں جماعت تک کی منظوری Recognition اگر حکومت سے حاصل کرنا ہے تو آٹھویں تک کے معیار کی زمین، عمارت، اساتذہ، اسٹاف اور طلبہ جمع کیے جائیں گے، تب ہی انسپکٹر یا سپرینٹینڈنٹ آف ایجوکیشن OK رپورٹ آگے بڑھائیں گے، پھر دفتری ''آداب وشرائط'' (4) کے مطابق منظوری کا پروانہ جاری ہوگا، لیکن انسپکشن کے وقت ذمہ دار افسر نے اگر پوچھ لیا، کہ ان طلبہ کو آپ نے جمع کیوں کر رکھا ہے، اور اسکول والے نے کہہ دیا کہ ''تعلیم کے لئے''۔ تو یقین مانئے اس ایکٹ کی دفعات کے تحت اس غیر منظور شدہ اسکول کو ایک لاکھ روپے جرمانہ ادا کرنا ہوگا ـــــ سرکاری عملہ کی بد نیتی سے اقلیتی اداروں کو کس طرح بچایا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب حکومت ہی دے سکتی ہے!

اگر کوئی ادارہ پانچویں جماعت تک اسکول کھولنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آئین ہند کی دفعہ ۳۰ کے تحت اسکول کھولے، تو Appropriate Government کے نمائندے اس کی اجازت نہیں دیں گے، کہ وہ ''اسکول'' قائم کریں، وجہ یہ ہوگی، کہ بچوں کے مفت حق تعلیم کے قانون کے تحت وہ ایلیمینٹری ایجوکیشن کی ہی اجازت دے سکتے ہیں، یعنی جب منظوری دی جائے گی، تو پہلی جماعت سے لیکر آٹھویں جماعت تک کی! عملاً اس طرح کی شکلیں پیدا ہوتی رہیں گی، اور خاص طور پر اقلیتیں شکار ہوتی رہیں گی، قانون سازوں کو نہیں بھولنا چاہیے کہ صرف NOC لینا جب اقلیتی اداروں کے لیے لانبے عرصہ تک نہایت مشکل مرحلہ رہا ہے، تو Recognition تو زیادہ ہی مشکل ثابت ہوگی۔(5)

تازہ ایکٹ اور اقلیتی ادارے

اقلیتی تعلیمی اداروں کے قیام کی اجازت آئین ہند نے دی ہے، جس کا مقصد ''اپنے پسند کے ادارے کھولنا اور چلانا ہے۔'' یہ تازہ ایکٹ اقلیتی تعلیمی اداروں کو پابند بناتا ہے کہ: دفعہ ۳(۱) ''چھ سال سے لے کر چودہ سال تک کی عمر کے بچہ کو اپنے قریبی اسکول میں مفت اور لازمی تعلیم حاصل

کرنے کا حق حاصل ہے، یہاں تک کہ وہ ایلمنٹری ایجوکیشن مکمل کر لے —''اس دفعہ کے نتائج یہ ہوں گے کہ اقلیتی تعلیمی اداروں میں ''قریب کے پچیس فیصد طلبہ'' اپنے قانونی حق کے تحت داخل ہوں گے، اور آئین ہند کی دفعہ ۳۰ بے اثر ہوکر رہ جائے گی۔

تازہ ایکٹ میں دفعہ ۱۲ (سی) موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کمزور طبقات کے پچیس فیصد بچے اسکول میں داخل ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ اسی دفعہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ پہلی جماعت سے قبل پری اسکول میں بھی پچیس فیصد بچے اسی طبقہ کے ہوں گے۔ ایکٹ کی دفعہ ۱۲ عام ہے جس میں ایسے اقلیتی تعلیمی ادارے بھی شامل ہوں گے، جو ایلمنٹری ایجوکیشن دیتے ہیں، اور ان پر بھی یہ پابندی رہے گی، کہ ''وہ کمزور طبقات'' کے پچیس فیصد بچوں کو داخل کریں۔ یہ دفعہ بھی آئین ہند کی بنیادی حق کی دفعہ کو نظر انداز کر کے بنائی گئی ہے!

قومی نصاب تعلیم

تازہ ایکٹ میں قومی ''نصاب تعلیم'' بنانے کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے، (باب ۳ دفعہ ۷ ذیلی دفعہ ۶ (اے) یہ دفعہ آئین ہند کی بنیادی حقوق کی دفعات ۲۶، ۲۹، ۳۰ کو نظر انداز کر کے بنائی گئی ہے، اس طرح مذہبی تعلیمی ادارے، لسانی تعلیمی ادارے، اور اقلیتی تعلیمی ادارے کی راہ میں مذکورہ بالا دفعہ رکاوٹ بنے گی، آئین ہند کی دفعات ۲۶، ۲۹، ۳۰ (بنیادی حقوق) کو اسی لیے رکھا گیا ہے، تا کہ اقلیتیں ''اپنا نصاب تعلیم'' پڑھا سکیں یا حکومت کے متعین کردہ نصاب تعلیم میں مناسب تبدیلی کے ساتھ تعلیم دے سکیں، مگر قومی نصاب تعلیم کے نفاذ کے بعد اقلیتی اداروں کی یہ خصوصیت پورے طور پر ختم ہو جائے گی۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہر ایک صوبہ، صوبائی ضرورتوں اور صوبہ کی تاریخی، جغرافیائی اور سماجی حالات کے پیش نظر نصابِ تعلیم کی کتابیں مرتب کراتا ہے، اور طالب علم اپنے صوبہ کے بارے میں زیادہ واقفیت حاصل کرتا ہے، یہ ہر صوبہ کی فطری طلب ہے — قومی نصابِ تعلیم آگے چل کر صوبائی تشدد کو بڑھانے والا ثابت ہوگا۔

ذریعہ تعلیم

ایکٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ بچوں کو مادری زبان میں پڑھایا جائے گا، یہ خوش آئندہ بات ہے ماہر تعلیم کا بڑی حد تک اتفاق ہے، کہ مادری زبان میں بچوں کی تعلیم ہونی چاہئے۔ ایکٹ کے الفاظ ہیں:

2(f)medium of instruction shall,as for as practicable,be in childs mothertongue

(یعنی جہاں تک قابل عمل ہو پڑھائی بچوں کی مادری زبان میں ہی ہوگی)

ایکٹ میں یہ وضاحت اچھی بات ہے سہ لسانی فارمولہ کے نام اردو کو یوپی سے ختم کر دیا گیا ہے، دوسرے صوبے جہاں اردو بولی اور جاتی تھی اسکا حال خراب ہوگیا ہے، مرکزی حکومت کے زیر انتظام پورے ملک میں چلنے والے سنٹرل اسکول، سینک اسکول میں اردو میں تعلیم کا نظم نہیں ہے، مرکزی حکومت کے قائم کردہ رہائشی اسکول نوادوے ودیالیہ کا بھی کم وبیش یہی حال ہے اس لئے بچوں کو علم حاصل کرنیکا حق دینے کے ساتھ ''مادری زبان میں علم حاصل کرنیکا حق'' بھی قانون میں ہوتا، اردو اور دوسری حاشیہ سے لگی زبانوں کو وطن عزیز میں زندہ رہنے کا موقعہ مل جاتا،

فاشزم کی شروعات

اس قومی نصابِ تعلیم کا نفاذ جتنا اچھا سمجھا جائے، حقیقت ہے کہ یہ طریقہ کار فاشزم کی پہلی اینٹ ہے۔ مشہور فلسفی Karl Papper نے Open society and its enemies اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، ہر شریف جمہوریت میں والدین کا یہ حق ہے کہ وہ بچوں کو اپنے طرز کی تعلیم دیں، چھ سے چودہ سال کی بچوں کو ایک نصاب کا پابند بنا دیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ ''بچوں کی مٹی'' جیسی بھی ہو، وہ ایک سانچہ میں ڈھل کر نکلینگے، اس طرح نہ صرف بچوں سے بچپن چھن جائیگا۔ بلکہ ان کے مزاج، احساسات، رجحانات ان کی تہذیب اور طور طریقوں کے خلاف بھی تعلیم ہوسکتی ہے، یہ بچوں کے حق میں برا ہوگا، اور ان کے والدین کی بھی حق تلفی ہوگی—

قومی نصاب تعلیم یا یکساں نظام تعلیم کا مطلب بچوں کو ایک خاص ڈھانچہ میں باندھ دینا ہے۔ اور ان سے اور ان کے والدین سے متبادل سسٹم Ulternative System اور پسند کے ادارے میں پڑھانے کا حق ختم کرنا ہے، یہ سوچ کسی پرانے کمیونسٹ کی ہوسکتی ہے، یا پھر

آر ایس ایس کے نمائندوں کی، نہ معلوم یہ انداز فکر وزارت فروغ انسانی وسائل نے کیوں اپنالیا ــــ وطن عزیز کے نونہالوں کیلئے ''پسند کے ادارے'' ہونے چاہئیں، تاکہ وہ یا ان کے سرپرست ضرورت محسوس کریں، تو متبادل ان کے لئے موجود ہو۔

معیار تعلیم

اس ایکٹ کے نفاذ کے بعد ''چھ سے چودہ سال کے ہر بچہ کو اپنے پڑوسی اسکول میں مفت اور لازمی تعلیم حاصل کرنے کا حق ہے، یہاں تک کہ وہ ایلیمنٹری ایجوکیشن مکمل کرے'' ــــ اسکول میں داخل کسی بھی بچہ کو (کلاس کی ترقی سے) روکا نہیں جاسکتا اور نہ اسے اسکول سے نکالا جاسکتا ہے۔ جبتک کہ وہ ایلیمنٹری ایجوکیشن مکمل نہیں کرلیتا ــــ '' ان دونوں دفعات پر غور کیجئے اور مزید وضاحت کیلئے ایکٹ کی دفعہ ۳۰ بھی پڑھ لیجئے:

No child shall be required to pass any Board examination till completion of elementary education

(یعنی ایلیمنٹری ایجوکیشن کی تکمیل تک بچوں کو کسی بورڈ امتحان پاس کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی)

یعنی بچے پڑھیں یا نہ پڑھیں، صلاحیت جیسی بھی ہو، طور طریقے جیسے کچھ ہوں، بچوں کو اسکول میں داخلہ لینا ہے۔ وہ درجوں میں حاضر ہو رہے ہیں یا نہیں؟ اسے دیکھنا صوبائی حکومت اور لوکل اتھارٹی کی ذمہ داری ہے۔ ''بچوں کا پڑھنا'' استاد کی ذمہ داری ہے، طالب علم کا کام بغیر امتحان دیئے عمر مکمل کرکے آٹھویں کلاس کی ڈگری لے لینا ہے۔ بیشک یہ بڑی ''انقلابی سونچ'' ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ ملک کے سامنے ڈراپ آؤٹس (درمیان میں تعلیم چھوڑ دینے والے) بہت بڑا مسئلہ ہیں (6) اور اسی وجہ سے عام لوگوں تک تعلیم نہیں پہونچ رہی ہے ــــ اگر حکومت جان توڑ کوشش کرتی بھی ہے تو بچے اسکول سے ناراض ہو جاتے ہیں اور ''ڈراپ آؤٹ'' ہو جاتے ہیں۔ ان کی، ان کے والدین اور اُن کے سرپرستوں کی سونچ یہ ہے کہ جب حکومت نوکری نہیں دیتی تو پڑھنے کا فائدہ کیا ــــ؟ اس سے بہتر ہے جاہل رہنا، آزادی رہے گی، کوئی بھی کام کرلیں گے ــــ حکومت نے اس تازہ حق تعلیم ایکٹ کے ذریعہ یہ حل نکالا کہ بچے پڑھیں نہ پڑھیں، ہم اُنہیں آٹھویں پاس کی ڈگری دے کر چھوڑیں گے۔ حکومت کی اس شفقت مادری سے کیسے ذی صلاحیت پڑھے لکھے آٹھویں پاس بچے تیار ہوں گے، اس پر اظہار رائے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

اسے یاد دلانا بھی مناسب ہے کہ اب آٹھویں جماعت تک ہی امتحان ختم نہیں کیا گیا، بلکہ گیارہویں کلاس تک بورڈ امتحان کا معاملہ ختم ہو رہا ہے، یا ہو چکا ہے - جب بغیر امتحان دیئے طلبہ گیارہویں پاس ہوکر بارہویں میں پہونچینگے تو انہیں زندگی میں پہلی بار باقاعدہ امتحان سے واسطہ پڑیگا اور امتحان ہال کا سماں انہیں نظر آئیگا، کتنے امتحان کے نتیجہ میں کامیاب ہونگے اور کتنے اعلیٰ تعلیم کے اہل قرار پائینگے آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے! امتحان اور بار بار امتحان کے ذریعہ طلبہ میں مقابلہ اور محنت کا جو جذبہ ابھرتا ہے اور امتحان کے نتائج کے سہارے اپنی صلاحیت کو ناپنے کا جو موقعہ ہاتھ آتا ہے اس جدید ترین نظام تعلیم کے نفاذ کے بعد وہ سارے مواقع ختم ہو جائینگے اور انگوٹھا چھاپ ڈگری ہولڈر کی بھرمار ہوگی نئے ہندوستان کی تعمیر کے علم سے ناواقف، آنیوالے برسوں کے جوان، ملک کیلئے بوجھ بن جائینگے اور مقابلہ کے عالمی میدان میں یہ دوکوڑی کے نہیں ہونگے۔

طالب علموں کو ہراساں نہیں کرسکتے

اس ایکٹ میں یہ صراحت بھی دفعہ ۱۷/ میں کردی گئی ہے کہ بچہ کچھ کرے، استاد یا پرنسپل سزا نہیں دے سکتا اور نہ انہیں ذہنی اذیت پہونچا سکتا ہے۔

No child shall be subjected to physical punishment or mental harasment.

''ذہنی اذیت'' کا لفظ مفہوم کے لحاظ سے غیر متعین ہے۔ اگر استاد نے کسی طالب علم سے پوچھ لیا کہ تم نے ہوم ورک کیوں نہیں بنایا۔ یا کل تم کلاس میں کیوں نہیں آئے تو طالب علم اس سوال کو بھی ''ذہنی اذیت'' کہہ سکتا ہے ــــ ایسی صورتحال میں استاد کے لئے مشکل پیش آسکتی ہے۔ اور وہ قانون کی گرفت میں آسکتا ہے!ــــ

اس قانون کی دوسری شق میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی استاد یا

پرنسپل نے طالب علم کو ٹوک ٹاک کی جسارت کرلی تو ڈسپلینری ایکشن لیا جائے گا۔

پڑوسی اسکول

اس ایکٹ میں بار بار neighbourhood school کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اصطلاح USA سے برآمد کی گئی ہے۔ قانون سازی کی ڈکشنری میں یہ لفظ نہیں ملتا اس لفظ کا متبادل ''پڑوسی اسکول'' ہے۔ پڑوسی اسکول کے دائرہ میں کون کون سے اسکول آئیں گے ایکٹ میں اس کی صراحت نہیں ہے — پڑوسی اسکول وہ بھی ہوسکتا ہے جو دستورِ ہند کی دفعہ ۳۰ کے تحت چل رہا ہو، وہ اسکول بھی ہوسکتا ہے جہاں داخلہ کے لئے پہلے اسکریننگ او رتحریری امتحان کا رواج ہو، وہ اسکول بھی ہوسکتا ہے جہاں داخلہ کے لئے ۸۰ فیصدی نمبرات کی شرط لگی ہوئی ہو، اس ایکٹ کے تحت ایسے اسکول بھی پڑوسی اسکول کے زمرہ میں آسکتے ہیں جس کے نتیجہ ان معیاری تعلیم گاہوں میں بھی ۲۵ فیصد پڑوسیوں کو داخل کرنا پڑے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ سرکاری اسکول میں تو بے پڑھے لکھے آٹھویں پاس تیار ہوں گے ہی معیاری اسکول کا ایکسیلنس بھی مٹی میں مل جائے گا۔

صحت اور جسمانی تعلیم

اسکول کا معیار اور نارمس کی تفصیل ایکٹ کے شیڈول میں دی گئی ہے۔ جس میں Health and Physical Education بھی شامل ہے۔ اس ایکٹ کی کئی اصطلاح امریکن سسٹم آف ایجوکیشن سے لی گئی ہیں۔ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک میں جسمانی تعلیم اور صحت کو جہاں استعمال کیا جاتا ہے اس میں صحت، حفظانِ صحت، چاق و چوبند رہنے کے سارے ذرائع اور وسائل شامل ہوتے ہیں۔ اس مقصد کیلئے ان ملکوں میں لڑکے اور لڑکیاں دیر تک تیرتے ہیں۔ پھر بے دروازہ غسلخانوں میں لباس کے بغیر غسل کرتے ہیں — اس طریق کار کا طلبہ کے مزاج اور اخلاق پر جو اثر پڑے گا، اور ہندوستان کی تہذیب اور روایات جس طرح متاثر ہوگی اس کا سمجھنا مشکل نہیں ہے۔

مغربی ممالک میں صحت کے زمرہ میں سیکس ایجوکیشن بھی آتا ہے۔ اور اس کا اہتمام اس طور پر ہے کہ باتصویر کتابیں بچوں کو دی جاتی ہیں جو نصابِ تعلیم کا حصہ ہوتی ہیں — اگر ''صحت کی تعلیم'' میں سیکس ایجوکیشن بھی شامل کیا جانے والا ہے تو اس کے جیسے کچھ اثرات بچوں کے اخلاق، صحت اور سماج پر ہوں گے، وہ واضح ہیں — مغربی معاشرہ کی جو اخلاقی حالت ہے۔ وہاں جنسی انارکی کا جیسا کچھ سماج تیار ہوا ہے، اور صحت پر جو خطرناک اثرات پڑے ہیں اس ''تعلیم'' کے نتیجہ میں وہی چیزیں ہندوستان میں بھی ہوں گی۔

اسکول انتظامیہ:

ایکٹ میں اسکول کی انتظامیہ کا ڈھانچہ بھی واضح کیا گیا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ انتظامیہ میں تین چوتھائی والدین یا گارجین ہوں گے، جن میں پچاس فیصد عورتیں ہوں گی — ملک کے کئی صوبوں میں کچھ اسی طرز پر اسکول کی کمیٹی کام کر رہی ہے ان کمیٹیوں کے کارگزار ہونے کے بعد اسکول کی تعلیم کہاں تک بہتر ہوئی ہے۔ اس کا جائزہ اب تک نہیں لیا گیا ہے — ایکٹ کا یہ حصہ بہتر جائزہ کا محتاج ہے۔ ایکٹ کا یہ حصہ دستورِ ہند کی دفعہ ۲۹-۳۰ سے ٹکراتا ہے۔ اور لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو دستور میں دیئے گئے بنیادی تحفظات کے خلاف ہے۔

ضرورت ہے کہ ایکٹ میں ایسی ترمیم ہو جس کے ذریعہ مدارس کی تعلیم اور تشخص برقرار رہے۔ لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو آئین ہند میں جو تحفظات فراہم کئے گئے ہیں تازہ ایکٹ ان سے ہم آہنگ ہو، تعلیم کا معیار بلند ہو سکے اور یہ ایکٹ ہندوستان کی تہذیبی روایات، اخلاق اور کردار کے مطابق ہو۔ ۞۞۞

---

(1) دفعہ ۴ پیراگراف ۳:

Provided further that a child so admitted to elementry education shall be entitled to free education till completion of elementary education even after fourteen Years.

(2) نارمس کی تکمیل بھی اقلیتی اداروں کیلئے بڑا دردِ سر رہا ہے، اقلیتی اداروں کو ایک تو سرکاری دفاتر کے (غیر تحریری قانون Unwritten Law) کے نارمس پورے کرنے پڑتے ہیں پھر یہ بھی واقعہ ہے اقلیتی اداروں کے ساتھ بڑا سوتیلا پن برتا جاتا ہے — مشہور اقلیتی میڈیکل کالج، کٹھیار میڈیکل کالج کے بیس بیت الخلاء کو صرف اسلئے

تو توڑ دینا پڑا کہ وہ نارمس کے متعین سائز سے صرف ایک انچ چھوٹے تھے۔

(3) نارمس کی تکمیل بھی اقلیتی اداروں کیلئے بڑا دردِ سر رہا ہے، اقلیتی اداروں کو ایک تو سرکاری دفاتر کے (غیر تحریری قانون Unwritten Law) کے نارمس پورے کرنے پڑتے ہیں پھر یہ بھی واقعہ ہے اقلیتی اداروں کے ساتھ بڑا سوتیلا پن برتا جاتا ہے ـــــ مشہور اقلیتی میڈیکل کالج، کٹھیار میڈیکل کالج کے بیس بیت الخلاء کو صرف اسلئے تو توڑ دینا پڑا کہ وہ نارمس کے متعین سائز سے صرف ایک انچ چھوٹے تھے۔

(4) خیال رہے کہ یہ آداب وشرائط ہر دفتری کاروائی کا لازمی حصہ ہیں ، جو law Unwritten کے تحت آئین ہند کے نفاذ کے قبل سے نافذ العمل اور رائج المعاملات ہیں۔

(5) مجھے یاد ہے، کہ ایک حساس کرسی پر بیٹھے کمشنر رینک کے مسلم آئی اے ایس سے میر ی گفتگو ہو رہی تھی، میں نے ان سے عرض کیا کہ ایک حساس عہدہ پر ہونے کے باوجود آپ مسلمانوں کو اس کا جائز حق نہیں دلوا سکتے؟ انھوں نے ٹھنڈی سانس لی، اور کہا کہ میں نے ایک اسکول کی عمارت بنوادی ہے، سب کچھ نورمس Norms کے مطابق ہوا ہے، مگر آٹھ سال کی محنت کے باوجود میں اپنے اسٹیٹ کے ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ سے NOC نہیں حاصل کر سکا ہوں، جب کمشنر رینک کا افسر چاہتے ہوئے NOC حاصل نہیں کر سکتا، تو عام مسلمانوں کے اقلیتی ادارے کہاں پنپ سکتے ہیں! ـــــ دور جانے کی ضرورت نہیں، موجودہ CBSE سنٹرل بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن نے پچھلے دس برسوں میں مسلمانوں کے کتنے اداروں کو منظوری دی ہے، اور کتنے اداروں کی منظوری کتنے برسوں سے پراسس Proses میں ہے، اس کی تفصیل حاصل کی جا سکتی ہے، ـــــ نیشنل انسٹی چیوٹ آف اوپن اسکولنگ NIOS کی تازہ صورتحال یہ ہے کہ میں نے بحیثیت چیرمین مدرسہ مورڈنائزیشن کمیٹی NIOS کے ذمہ داروں سے میٹنگ کی، وزارت تعلیم کے جوائنٹ سکریٹری تک میٹنگوں میں شریک ہوتے رہے، پھر ایک فیصلہ کے تحت NIOS نے نوٹی فیکشن جون ۲۰۰۸ء میں جاری کیا، جس کے تحت مدرسوں کو منظوری دینی تھی، مگر دو سال میں ہندوستان کے پانچ مدرسوں کو منظوری نہیں دی گئی، رحمانی فاؤنڈیشن مونگیر کو سنٹر مان کر طلبہ کا داخلہ کیا گیا، پورا ایک سال گذر گیا، اب تک درخواستیں پروسس میں ہیں، دو امتحان گذر گئے اب تک ایک طالب علم بھی اس سنٹر کے ذریعہ امتحان نہ دے سکا، ـــــ امین شریعت ایجوکیشن ٹرسٹ دھرول ضلع جام نگر گجرات بھی NIOS میں سنٹر کے لیے درخواست گذار ہوا، NIOS کی ٹیم ہیڈ کوارٹر دہلی سے دھرول پہونچی اس نے انسپکشن کیا اور کسی تحقیق اور ثبوت کے بغیر یہ رپورٹ دی کہ ''ادارہ میں بنگلہ دیشی طلبہ پڑھ رہے ہیں'' ـــــ یہ زمینی حقائق ہیں جنہیں قانون سازی کی ''فضائی مخلوق'' کو سمجھنا چاہیے!

(6) پہلی جماعت سے آٹھویں جماعت تک ''ڈراپ آؤٹس'' کی تعداد جو بھی ہو اس کے روکنے کا نظم حکومت نے ''امتحان فری ڈگری'' کے انقلابی قانون سے کر لیا ہے۔ ہندوستان کے لائق فخر ادارے IIM کے ڈراپ آؤٹس (تعلیم چھوڑنے والوں) کا تناسب ۶۲ فیصد ہے۔ توقع ہے کہ مرکزی حکومت اعلیٰ تعلیم کے لئے بھی اسی طرز کا قانون بنائے گی۔

❁❁❁

بقیہ: ہمارے موجودہ مسائل کا حل

نہیں بلکہ ہم واقعی اگر تاجر ہیں تو پہلے مرحلے میں یہ سوچتے ہیں کہ ممکن ہے اسٹاف نااہل ہے، اس کو تبدیل کیا جاتا ہے، پھر بھی فائدہ نہیں ہوتا تو سوچتے ہیں شاید دکان کا باہری منظر اور اندر کا فرنیچر گاہکوں کو ترغیب دلانے میں ناکام ہے، اس کو بھی تبدیل کرتے ہیں، پھر بھی گاہک نہیں آتے تو دکان کا ایٹم یعنی سامان ہی بدل دیتے ہیں، سال بھر کی کوششوں کے باوجود بھی جب مثبت اثرات نظر نہیں آتے تو دکان ہی کو اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں، ان سب کوششوں کا بھی جب اثر نظر نہیں آتا تو جدید اور نئے تشہیری اسباب اختیار کرتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دن وہ آجاتا ہے کہ رزاق حقیقی آپ کے صبر وتحمل سے خوش ہو کر کاروبار میں اتنی ترقی سے نوازتے ہیں کہ آپ خود حیرت میں رہ جاتے ہیں لیکن افسوس ہمارا یہی دماغ جو تجارت میں نت نئے تجربات کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے دعوت کے میدان میں پرانے تجربات کے علاوہ کچھ نئے تجربات اور حکمت کے ساتھ اس میدان میں کچھ نئے اسباب کو اختیار کرنے کے متعلق سوچنا بھی گوارہ نہیں کرتا، اگر تجارت کی طرح ہمارا دل ودماغ بھی دعوت کے میدان میں استعمال ہونے لگے تو چند ہی سالوں میں ہمارے اس ملک کی جو فضا ہوگی وہ نہ صرف مسرت آمیز بلکہ حد سے زیادہ خوش کن ہوگی، برادران وطن کی نئی نسل کو جو اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم ہے ابھی سے منصوبہ بندی کے ساتھ اسلام سے قریب کرنے کی کوشش کی جائے تو صرف دس سال کے بعد اس برصغیر کی اسلام کے حق میں جو پرامن فضا ہوگی وہ تصور سے زیادہ حیرت انگیز ہوگی، اپنے اس دعوتی فریضہ کی ادائیگی کے بغیر ہمیں اس ملک میں اپنے برادران وطن کی طرف سے اپنے اوپر ہونے والے ناگہانی مظالم کے باوجود اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کی امید نہیں رکھنی چاہئے، اس لئے کے انسانوں کی نظروں میں تو وہ ظالم اور ہم مظلوم ہیں لیکن ان تک اسلام کی دعوت اور توحید کا پیغام نہ پہنچانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے پاس وہ مظلوم اور ہم ظالم ہیں اور اس دعوتی فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی تلافی کے بغیر ہم اللہ رب العزت کی مدد کے مستحق نہیں بن سکتے۔

❁❁❁

ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کے مضر اثرات

محمد عبدالرحیم قریشی (اسسٹنٹ جنرل سکریٹری بورڈ)

موجودہ انکم ٹیکس ایکٹ منسوخ کر کے اس کی جگہ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ نافذ کیا جائے گا۔ اسکا بل (مسودہ قانون) پیش کیا جاچکا ہے جو وزارت فینانس کی اسٹینڈنگ کمیٹی میں زیر غور ہے جس کے صدر نشیں سابقہ این۔ ڈی۔ اے حکومت کے وزیر مسٹر یشونت سنہا ہیں۔ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ بل کی کئی دفعات عبادت گاہوں، مذہبی اداروں، رفاہی، فلاحی وخیراتی اداروں کے لئے نقصان رساں ہیں۔ اگر یہ بل جس انداز میں پیش ہوا ہے ویسا ہی منظور ہوجائے تو کیا خطرات لاحق ہوں گے ان کا مختصر تذکرہ یہاں کیا جارہا ہے۔

انکم ٹیکس کا قانون جب (۱۹۲۱ء) سے وجود میں آیا ہے مذہبی ٹرسٹ، مذہبی ادارے اور مذہبی عبادت گاہیں ٹیکس سے مستثنیٰ رہی ہیں تمام ہی مذہبی فرقوں کی عبادت گاہوں پر کوئی انکم ٹیکس عائد نہیں ہوتا۔ اس نئے ٹیکس کوڈ میں یہ سہولت ختم کردی جارہی ہے اور اس کو پارلیمنٹ منظور کرلے اور اس کا نفاذ ہوجائے تو ہر عبادت گاہ کو ہر سال انکم ٹیکس ادا کرنا ہوگا۔ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ میں کہا گیا ہے کہ **پبلک ریلیجیس** (Public Religious) عوامی مذہبی ادارے ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں گے کہ بشرطیکہ وہ 'عدم نفع تنظیم' (Non - Profit Organisation) ہوں۔ 'عدم نفع تنظیم' کی تعریف یہ ہے کہ ایسا ادارہ، ایسی انجمن اور ایسی تنظیم جو کسی مذہبی طبقہ یا فرقہ یا مخصوص ذات کی نہ ہو جس سے فائدہ اٹھانے والے کسی ایک ذات یا مذہبی فرقہ کے نہوں اور دوسرے فرقہ کے لوگ بھی اس میں شامل ہوں۔ اس تعریف کے بعد مذہبی اداروں اور عبادت گاہوں کو ٹیکس سے معافی نہیں مل سکے گی۔ کیونکہ مندر ہے تو اس میں عبادت کرنے والے ہندو ہی ہوں گے، مسجد میں عبادت کرنے والے مسلمان ہی ہوں گے یہی بات سکھوں کے گرودواروں، پارسیوں کی آگیاری (آتش کدہ) اور عیسائیوں کی چرچس کی ہے یہ عبادت گاہیں ایک مخصوص مذہبی طبقہ یا فرقہ کے لئے ہی ہیں، مندر ہندوؤں کے لئے، مسجد مسلمانوں کے لئے گردراوہ سکھوں، چرچ عیسائیوں کے لئے آتش کدہ پارسیوں کے لئے بنائے گئے ہیں۔ نئی تعریف کے بعد اسی لئے انھیں انکم ٹیکس سے چھوٹ نہیں ملے گی۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان ایک سیکولر ملک ہے لیکن دستور سے سیکولرزم کی جو تعریف ملتی ہے وہ یہ نہیں ہے یہاں سوویت روس کی طرح مذہب کی مخالفت کی جائے گی اور مذہب کو مٹانے کی کوشش ہوگی۔ ہندوستان ان معنی میں سیکولر ہے کہ ملک کا کوئی سرکاری مذہب نہیں ہے اور حکومت تمام مذاہب کو تسلیم کرتی ہو اور سب سے اس کے سلوک میں یکسانیت ہو اور ہر مذہب سے اس کی قربت یا اس کا فاصلہ مساویانہ ہو۔ ان معنوں کے ساتھ یہ بھی ہے کہ مذہب کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کیا گیا ہے اسی لئے مذہبی آزادی اور مذہبی اداروں کی خودمختاری کی آزادی کو شہریوں کے، صرف اقلیتوں کے نہیں، تمام شہریوں کے بنیادی حقوق قرار دیا گیا ہے دستور کا آرٹیکل (25) ضمیر، مذہب کی آزادی کا اعلان کرتا ہے یہ آزادی دراصل تین آزادیوں کی ڈوریوں سے بٹی ہوئی مضبوط رسی کے مشابہ ہے جس میں مذہبی عقیدہ کے رکھنے کی آزادی، مذہبی عقیدہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی اور مذہبی عقیدہ کے پرچار اور اشاعت کی آزادی شامل ہیں۔ آزادی کا یہ تصور یو۔ ایس۔ اے (امریکہ) کے تصور مذہبی آزادی سے زیادہ وسیع اور قوی ہے جہاں صرف عبادت کے حق (RIGHT TO WORSHIP) پر زور دیا جاتا ہے آرٹیکل (26) مذہبی فرقوں اور مسالک کو اپنے مذہبی امور کے سلسلہ میں اداروں کے قیام وانتظام کی آزادی عطا کرتا ہے اور خودمختاری کی ضمانت دیتا ہے۔ دستور کے یہ دو آرٹیکلس اس بات کا کھلا اور واضح ثبوت ہیں کہ

دستور ساز مذہب کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کے قائل تھے۔

اس بات کو ایک اور زاویہ نظر سے دیکھا جا سکتا ہے، مذہب ہی ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے ایک اخلاقی مخلوق بناتا ہے اس کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ وہ معاشرہ کے لئے مفید اور کارآمد عنصر بن جاتا ہے۔ مذہب کی اخلاقی تعلیم انسان کو سنوارتی ہے، مذاہب جو نیکی اور بدی، ثواب و گناہ، پاپ وپُن کے تصورات کو انسان کے دل و دماغ میں پیوست کرتے ہیں ان ہی کی وجہ سے انسان، انسان رہتا ہے، درندہ صفت حیوان نہیں بنتا۔ سچائی کی اچھائی، جھوٹ کی برائی، دھوکہ اور فریب کی مذمت، دوسروں کا حق چھیننے کی برائی، رشوت خوری کی ممانعت اور اس کا پاپ وگناہ ہونا، ایسے ہی اقدار کے ذریعہ انسان میں اپنے ہر عمل کے لئے ذمہ دار اور جوابدہ ہونے کا مزاج بنتا ہے اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ قانون انسان کے لئے ضروری ہے لیکن قانون بے فیض، بے کار بلکہ نقصان دہ بن جاتا ہے جب تک کہ دل و دماغ میں تبدیلی نہ آئے اور یہ کام قانون نہیں کر سکتا۔ ملک کے کئی علاقوں، کئی شہروں میں برسوں نشہ بندی رہی اور ان دنوں شراب کی ناجائز کشید، منتقلی اور فروخت سب سے زیادہ نفع بخش کاروبار بن گئے۔ نشہ بندی کا قانون ناکام ہوگیا اس لئے اس کو اٹھالینا پڑا ممبئی میں یہی ہوا، آندھرا پردیش میں یہی ہوا، کئی اور مقامات پر یہی انجام ہوا۔ آج کل بدعنوانی، رشوت اور کالے دھن کے خلاف بہت کچھ کہا اور لکھا جا رہا ہے، سخت قوانین بنانے کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ لوک پال کے ادارے کے قیام کی بات ہو رہی ہے۔ جو بھی ادارہ قائم اور سخت سے سخت قانون کے تحت جو بھی مشنری بنے گی اس کے عہدیداروں اور کام کرنے والوں کی چاندی ہوگی، رشوت کی شرح (ریٹ) بڑھ جائے گی۔ کالے دھن میں تیزی سے اضافہ ہوگا جب پیسہ ہی معاشرہ میں مرتبہ ومقام کا تعین کرتا ہے، بڑے سے بڑا کام کرواتا ہے۔ الیکشن جیتواتا ہے تو کیوں نہ پیسہ بٹورا جائے پیسہ بٹورنے کی فکر دور ہوگی اور آمدنی پیدا کرنے کے صحیح اور جائز طریقے اختیار کئے جائیں گے جبکہ آدمی یہ سمجھ لے کہ اگر دنیا کے قوانین کی گرفت میں بچ جاوں، تب بھی رشوت، جھوٹ فریب اور دغا کے لئے مرنے کے بعد کی پکڑ سے میں بچ نہیں سکوں گا یہاں شدید ضرورت مذہب کی ہے جو بتائے کہ یہ سب کام گناہ اور پاپ ہیں ان کا انجام بہت برا ہوگا گناہگار اور پاپی برے انجام کو پہنچتا ہے۔ اس لئے معاشرہ کی تطہیر اور اس کو پاک اور صاف کرنے میں مذہبی ادارے اور عبادت گاہیں بڑا اہم رول انجام دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ اس زاویہ نظر سے مذہبی عبادت گاہیں ملک کے بڑے اہم اور مفید ادارے ہیں جن کی ہمت افزائی ہونی چاہیے۔

مشکل یہ ہے کہ ہندوستان میں مذہب کو اس تعمیری مقصد کے لئے استعمال کرنے کی بجائے، باہمی نفرتوں کو پیدا کرنے، ایک دوسرے کو لڑانے، ہم وطن بھائیوں کا خون بہانے، فسادات برپا کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس کی وجہ سے بعض ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مذہب، تعمیری نہیں بلکہ تخریبی ذہن پیدا کرتا اور معاشرہ میں انتشار اور خلفشار کا باعث بنتا ہے اس لئے مذہب کے دائرہ کو محدود سے محدود تر کیا جائے اور اس کی ہمت شکنی کی جائے۔ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کا مسودہ بنانے والے اس خام اور کچے ذہن کے حامل معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان میں مذہب کی مخالفت اور مذہب سے دشمنی کا جذبہ نظر آتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ ہندوستان کے مذہب سے تعلق رکھنے والے اور مذہب پر ایمان رکھنے والے عوام، ملک کے ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی اور عیسائی سب کے سب اس کوڈ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اعلان کریں کہ یہ ہم پر ظلم ہے ہم اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ بل میں ترمیم کی جائے اور عبادت گاہوں پر انکم ٹیکس یا ویلتھ ٹیکس نہ لگایا جائے اور اب تک انکم ٹیکس قوانین میں عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں کی جو پوزیشن تھی اس کو بحال کیا جائے۔

ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ رفاہ عام کے اداروں، تعلیمی وخیراتی کاموں کی انجمنوں اور ٹرسٹوں کے لئے بھی خطرہ کی گھنٹی ہے۔ 1921ء کے انکم ٹیکس قانون کے تحت تمام ایسے اداروں کو حتیٰ کہ کسی ایک فرقہ کے لئے قائم ادارے کو بھی چند ضوابط کی تکمیل کے بعد انکم ٹیکس سے چھوٹ حاصل تھی۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی مذہبی طبقوں اور فرقہ کے لوگوں نے اپنے طبقہ وفرقہ کے لوگوں کو مدد دینے اور فائدہ پہنچانے کے لئے ادارے اور ٹرسٹس قائم

کئے 1961ء میں انکم ٹیکس کا نیا قانون بنایا گیا جو یکم اپریل 1962ء سے اب تک نافذ العمل ہے اس قانون کے تحت کسی مذہبی طبقہ یا فرقہ کے لئے یکم اپریل 1962ء سے پہلے جو چیرٹیبل ادارے یا ٹرسٹس قائم کئے گئے ان کے لئے انکم ٹیکس سے چھوٹ کی سہولت برقرار رکھی گئی لیکن اس تاریخ کے بعد قائم ہونے والے چیرٹیبل اداروں اور ٹرسٹس کے بارے میں یہ قانون بنایا گیا کہ انکم ٹیکس سے چھوٹ کی سہولت ان کو ہوگی جو کسی فرقہ سے متعلق نہ ہوں (Non - Denominational) ہوں۔ اس طرح کسی مذہبی فرقہ کے لئے قائم ٹرسٹس اور اداروں کو انکم ٹیکس کی سہولت سے محروم کر دیا گیا۔ لیکن عملاً یہ ہوتا رہا کہ ادارے اور ٹرسٹس ایسے بنائے جاتے رہے جن کے اغراض و مقاصد اور ضوابط سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی مذہبی فرقہ سے متعلق لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں۔ اس کی وجہ سے انھیں انکم ٹیکس میں رجسٹریشن اور انکم ٹیکس کی ادائیگی سے چھوٹ مل جاتی اور یہ فائدہ اپنے ہی فرقہ کے لوگوں کو پہنچاتے اور خدمت اپنے ہی فرقہ کے لوگوں کی کرتے گجراتیوں کے اداروں اور ٹرسٹ سے گجراتیوں، مارواڑیوں سے مارواڑیوں کو اس طرح بعض مسلم فرقوں کے اداروں اور ٹرسٹس سے اس فرقہ کی خدمت ہوتی اور انکم ٹیکس سے چھوٹ کی سہولت بھی جاری رہتی۔

اب ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کے بعد یہ نہیں ہو سکے گا۔ یکم اپریل 1962ء سے پہلے قائم کئے گئے اداروں اور ٹرسٹوں کو جو چھوٹ اب تک حاصل ہے ختم ہو جائے گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ اب تک جس نوعیت کے اداروں کو چھوٹ حاصل رہی ہے اس سہولت کو ان اداروں کے لئے جاری رکھا جائے۔

دوسرے یہ کہ کسی چیرٹیبل ادارے یا ٹرسٹ سے فائدہ اٹھانے والے کون ہیں ان کی جانچ کا اختیار زیادتی ہے البتہ یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ ادارے یا ٹرسٹ کو قائم کرنے والے اپنے ہی لوگوں کو فائدہ پہنچاتے ہوئے کچھ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ استفادہ کرنے والوں کی بھاری اکثریت ان کی ہو جن کا تعلق ادارہ یا ٹرسٹ بنانے والوں کے طبقہ یا فرقہ سے ہو برداشت کر لیا جائے۔

حکومت اگر یہ سمجھتی ہے کہ سارے رفاہی کام وہی کرے گی اور کر سکتی ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ حکومت احمقوں کی جنت میں رہتی ہے۔ حکومت ایسے تمام کام نہیں کر سکتی۔ نہ ہر کیلومیٹر پر معیاری اسکول قائم کر سکتی، نہ تمام یتیموں کی پرورش اور دیکھ بھال کا انتظام کر سکتی، نہ تمام معذروں کی کفالت کا انتظام کر سکتی اور نہ تمام غریبوں کے لئے کم از کم دو وقت پیٹ بھر کھانے کا انتظام کر سکتی ہے۔ اس لئے حکومت کو چاہیے کہ ایسی ترغیبات (Incentives) دے جن کی وجہ سے لوگ اس طرح رفاہی و خیراتی چیرٹیبل ادارے قائم کر سکیں۔ اس طریقہ پر زیادہ سے زیادہ رفاہی و خیراتی کاموں کو فروغ مل سکتا ہے۔ مگر ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ کا مقصد ایسے کاموں کی ہمت شکنی کرنا معلوم ہوتا ہے۔

اس وقت چیرٹیبل اداروں اور ٹرسٹس کو اجازت ہے کہ اپنی آمدنی کا 15 فیصد بچا کر رکھ سکیں اور جمع کریں اب کوڈ کے تحت اگر تین سال کے اندر یہ بچت صرف نہیں کی گئی تو اس پر ٹیکس لگے گا اب یہ سہولت ہے کہ کوئی ٹرسٹ اپنے کارپس کی رقم کوئی ٹیکس ادا کئے بغیر 5 سال تک محفوظ کر سکتا ہے نئے قانون سے یہ سہولت ختم کی جا رہی ہے۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ کسی فرقہ کی جانب سے یا اس کے افراد کے استفادہ کے لئے جو ادارے اور ٹرسٹس ہیں ان پر ٹیکس 30 فیصد کی شرح سے لگے گا۔ اس قانون اور اتنی بڑھی شرح کے نتیجہ میں جو لوگ فلاحی اداروں، ان ہی کاموں میں اپنے عطیات دیتے ہیں وہ بھی رک جائیں گے۔

ڈائرکٹ ٹیکسیس کوڈ بل بنانے والے ملک اور قوم کے خیر خواہ نہیں ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق لٹیروں سے ہے جنھوں نے پیسہ لوٹنے اور پیسہ بٹورنے کے مقصد کے تحت یہ کوڈ بل تیار کیا ہے۔ ضرورت ہے، ہندوستانی شہری جاگیں، ہندو مسلم سکھ عیسائی اور پارسی سب جاگیں اور حکومت ہند کو مجبور کریں کہ وہ عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں کو اور چیرٹیبل ٹرسٹس اور اداروں کو ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے کے لئے کوڈ بل میں ترمیم کرے۔ یہ عبادت گاہیں شہریوں کو اچھا شہری بناتیں اور رفاہی و خیراتی کام کرنے والے ادارے حکومت کے بوجھ کو کم کرتے ہیں اور ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔

R.T.E. میں ترمیم زیر بحث ہے!

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی (سکریٹری بورڈ، مونگیر)

یکم اپریل ۲۰۱۰ء سے نافذ مرکزی حکومت کا قانون ''بچوں کے مفت اور لازمی حصول تعلیم کا حق'' (جسے عام طور پر R.T.E ایکٹ کہا جاتا ہے) میں ترمیم کیلئے راجیہ سبھا میں لسٹ پر آچکا ہے اور سیاسی گلیاروں کے اندرون خانہ اسپر گفتگو ہورہی ہے، کپل سبل صاحب کے علاوہ جناب کے رحمٰن خان صاحب ڈپٹی چیرمین راجیہ سبھا جناب ادیب صاحب ایم پی اور جناب احمد سعید ملیح آبادی اور راجہ سبھا کے کئی رکن اس مسودہ ترمیم سے دلچسپی لے رہے ہیں، عیسائی اور سکھ ممبران کو بھی اس ایکٹ کے بعض حصوں پر تشویش ہے۔ ابھی حکومت نے جو ترمیم مرتب کی ہے، اس میں دو اہم چیزیں ہیں (۱) معذور طلبہ کو مزید سہولت دینا (۲) حصول تعلیم کے حقدار طالب علم کی عمر کی مدت بڑھانا۔ موجودہ قانون میں یہ عمر ۶/ سے چودہ سال کیلئے ہے، جسے بڑھا کر تین سے اٹھارہ سال کرنیکی تجویز ہے۔

اس قانون پر جو سب سے بڑا اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ اس قانون سے مدارس اسلامیہ اور ویدک پاٹھشالہ اور گروکل طرز کے اداروں پر سیدھی ضرب پڑے گی، اور اسکی گردن تن سے جدا ہوجائیگی دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آئین ہند کے دفعہ ۳۰ (بنیادی حقوق) کے تحت چلنے والے اداروں کے حقوق بھی اس تازہ ایکٹ سے پامال ہونگے، اقلیتوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے مسلسل مطالبات کے نتیجہ میں وزارت فروغ انسانی وسائل حکومت ہند نے اس ایکٹ سے متعلق گائڈ لائن جاری کیا، جسمیں اقلیتوں کی تسلی کا انتظام کیا گیا۔ اس گائڈ لائن کے ذریعہ مدارس ویدک پاٹھشالوں کو ایکٹ سے مستثنیٰ کیا گیا، اور آئین ہند کی دفعہ ۳۰ کے تحت چلنے والے اقلیتی اداروں کی حفاظت کی شرارت آمیز اور دھوکہ سے بھرپور شق بڑھائی گئی۔ (میں نے اپنے مضمون اور رسالہ میں تفصیل سے گفتگو کی ہے جو صاحب چاہیں رسالہ مجھ سے طلب فرماسکتے ہیں) مسلم مجلس مشاورت کے ایک مؤقر وفد نے جناب کپل سبل صاحب سے ملاقات کرکے واضح کیا کہ گائڈ لائن ایکٹ کا بدل نہیں ہوسکتا، پھر اس گائڈ لائن کی زبان پر پیچ ہے، جو اقلیتوں کے حق سوخت کرنیکی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔

کپل سبل صاحب نے فرمایا کہ اگلے سیشن میں ترمیم لاؤنگا، میں نے ایک مختصر، واضح اور جامع ترمیم انہیں دے رکھی ہے، اسکی یاد دہانی کرائی، اور ابھی تین ہفتے قبل بذریعہ خط پھر اسے تازہ کرنے کی کوشش کی۔ کپل سبل صاحب کا وعدہ اگلے سیشن میں تو پورا نہیں ہوا، اور اب دوسرے سیشن میں جو ترمیم وہ لارہے ہیں، اسمیں مدارس اور اقلیتوں کیلئے کچھ نہیں ہے۔ میں نے مکمل اور مدلل طور پر لکھا اور کہا ہے کہ یہ ایکٹ اپنے دوررس اثرات کے لحاظ سے (۱) ملک کے معیاری تعلیم کے خلاف ہے، (۲) مدارس اور اقلیتی اداروں کے خلاف ہے۔

R.T.E. ملک میں تعلیم پھیلانے میں فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ پورا ایکٹ اور گورمنٹ ڈائرکشن جب ملک میں عام ہوجائیگا، تو سب سے زیادہ نقصان تعلیمی اکسلینس کا ہوگا، وجہ یہ ہے کہ:

۱/الف آنیوالے برسوں میں طالب علم کو پہلا باقاعدہ

امتحان 2 +پاس کرنے کیلئے دینا ہوگا،اس سے پہلے کوئی بھی ایولوٹیشن یا ٹیسٹ طالب علم کی ناکامی کو متعین نہیں کرسکتا ،ہر طالب علم کو ہر سال (بارہویں کلاس تک)ترقی دینا ہوگی اور اگلے کلاس میں پڑھانا ہوگا۔

ا/ب ٹیچر کسی شاگرد سے کلاس سے غیر حاضر رہنے،ہوم ورک نہ کرنے یا کسی بھی غیر تعلیمی سرگرمی میں شریک رہنے پر قانوناً روک نہیں سکتا ،ایسا کرنے پر شاگرد ٹیچر کو R . T . E کے تحت جیل پہونچواسکتا ہے!

ا/ج میں نیبر ہڈ (پڑوسی) اسکول میں قرب وجوار کے ۲۵ فیصد طلبہ کے داخلہ کی قانونی گنجائش رکھی گئی ہے نیبر ہڈ اسکول اور قرب وجوار کی وضاحت بھی قانون میں نہیں ہے۔

ہمارے اکسلینس کے ادرے ،جسے نوادوے ودیالیہ ،سنٹر اسکول ،آرمی اسکول،اور اسٹیٹ یا سنٹرل گورمنٹ کے وہ ادارے جنمیں سخت کمپٹیشن کے بعد داخلہ ہوتا ہے،یا ایسے غیر سرکاری ادارے (جنکے تعلیمی اِکسی لینس کا معیار قائم ہے)میں اگر قرب وجوار کے ۲۵ فیصد لڑکے داخل ہوئے ،تو پچہتر فیصد طلبہ بھی تعلیمی گراوٹ کا شکار ہوں گے ،اور یہ ۲۵ فیصد پورے اسکول کی تعلیمی فضا کو خراب کرینگے۔

۲۔ یہ ایکٹ اقلیتی تعلیمی اداروں کے بنیادی آئینی حق دفعہ ۳۰ سے ٹکراتا ہے،اور اقلیتوں کے اپنی پسند کے اداروں کے بنانے اور چلانے کے حق کو چھینتا ہے۔وزارت نے نومبر ۲۰۱۰ء میں گائڈ لائن جاری کیا،اور وزارت نے اعلان کیا کہ اقلیتوں کو دیئے ہوئے آئینی حق کی حفاظت کردی گئی ہے۔مگر خود گائڈ لائن کی دفعہ ۴۔اور۔۵ میں سیدھا ٹکراؤ ہے،۴ میں کہا گیا ہے کہ اقلیتی ادارے .R.T.E کے تحت آتے ہیں،اور ۵ میں اتھاریٹیز کو ہدایت دی گئی ہے کہ آئین ہند کی دفعہ ۳۰ کے تحت چلنے والے اداروں کے آئینی حقوق کی حفاظت کیجائے۔جب وہ .R.T.E کے تحت آئینگے تو ادارہ کی انتظامیہ،منیجنگ کمیٹی ،طلبہ کی ترقی ،اساتذہ کی بحالی اور برخواستگی سرکاری نظم اور .R.T.E کے تحت ہوگی ،پھر گائڈ لائن کا نمبر ۵ بے معنیٰ ہے،اور لوکل اتھاریٹیز اپنے انداز سے قانون کی تشریح کرینگے اور اقلیتوں کو پریشان کرنے کا انہیں قانونی موقعہ ہوگا۔

۳۔ گائڈ لائن میں مدرسوں کی حفاظت کی یقین دہانی کی گئی ہے، جو ناکافی ہے،کپل سبل صاحب نے چند دنوں قبل اعلان کیا ہے،کہ مدارس اسلامیہ .R.T.E کے دائرہ میں نہیں آتے شاید کپل سبل صاحب خود غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں۔

صورت حال یہ ہے کہ .R.T.E چھ سے چودہ سال کے ان بچوں کیلئے ہے،جو تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں ۔اور حکومت کا متعین اور مرتب کیا ہؤا نصاب تعلیم پڑھنا ایسے بچوں کا حق ہے۔اب اگر مدرسہ کا کوئی طالب علم یہ درخواست دیدے کہ ہمیں مدرسہ میں وہ ایلمنٹری ایجوکیشن نہیں دیا جارہا ہے جو .R.T.E کے تحت دیا جانا چاہئے ،تو مدرسہ کے ٹیچر اور انتظامیہ کو جیل جانا پڑے گا اور مدرسہ کو جرمانہ لگے گا مرکزی وزیر کی یقین دہانی (چاہے وہ اخبار میں چھپی ہو یا پارلیمنٹ میں بیان کی شکل میں ہو) کی کوئی قانونی جہت اس وقت تک نہیں ہے،جب تک کہ وہ ایکٹ کا حصہ نہ بن جائے ،میں نے قانون میں ترمیم کے الفاظ لکھکر کپل سبل صاحب کو دیدیئے ہیں ،ایکٹ میں واضح الفاظ میں مدارس اور دستور ہند کی دفعہ ۳۰ کے تحت چلنے والے اداروں کو حفاظت دیجائے یہ انصاف اور آئین ہند کے بنیادی حق کا مطالبہ ہے ۔وزارت کا جاری کیا ہؤا گائیڈ لائن پُر پیچ ہے اور اسے ترتیب دیتے وقت یا تو ذہانت کا بالکل استعمال نہیں کیا گیا ہے،یا ذہانت کا ضرورت سے زیادہ استعمال کیا گیا ہے جسمیں شرارت بھی شامل ہے۔

تعدداز دواج کا مسئلہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

تعدداز دواج کا مسئلہ ان سماجی مسائل میں سے ہے جو آزادی نسواں کی تحریک کے بعد سے پوری دنیا میں زیر بحث رہا ہے، اور اسلام کے معاشرتی قوانین کے خلاف اہل مغرب کی طرف سے جو فرد جرم عائد کی جاتی رہی ہے، ان میں یہ مسئلہ سرفہرست ہے، انسان کی ایک فطری کمزوری یہ ہے وہ جس بات کو بار بار اور مختلف زبانوں سے سنتا ہے خواہ وہ کتنی ہی غلط بات ہو اس کو درست سمجھنے لگتا ہے؛ چنانچہ تعدداز دواج کے مسئلہ پر مغربی دنیا نے اتنا لکھا اور کہا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اس سلسلہ میں شک اور تذبذب میں مبتلا ہیں، اور جن لوگوں نے مغربی ماحول میں یا مغربی نظام کے تحت تعلیم حاصل کی ہے وہ بے چارے تو اس مسئلہ پر اتنے شرمسار ہو جاتے ہیں کہ شاید عرق ندامت پیشانی سے گذر کر پاؤں کو چھو جاتا ہو؛ اس لئے اس مسئلہ پر پوری حقیقت پسندی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے!

تعدداز دواج کا مسئلہ کئی پہلوؤں سے قابل غور ہے، مذہبی، سماجی اور اخلاقی، مذہبی اعتبار سے یہ ایک حقیقت ہے کہ تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں تعدداز دواج کو جائز قرار دیا گیا ہے، ڈاکٹر مالک رام نے رگ وید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک مرد کے لئے بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کرنا درست ہے اور بیویوں کے لئے کوئی تحدید نہیں ہے، یہودی مذہب میں بھی تعدداز دواج کی گنجائش ہے، چنانچہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں، ایک حضرت صفورہ، جو حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں (استثناء ۲۴:۱۰۲) آپ کا دوسرا نکاح ایک کوسی خاتون سے ہوا تھا (استثناء ۲۴:۴)، خود بائبل میں حضرت داؤد علیہ السلام کی چھ بیویوں (اخنوعم، اجمیل، محکہ، حجیت، ابیطال، عجلاہ) کا ذکر آیا ہے (گنتی ۲۷:۸) عیسائی مذہب چونکہ اپنی اصل کے اعتبار سے تورات ہی کی شریعت پر ہے؛ اس لئے سمجھنا چاہئے کہ اصلاً عیسائی مذہب میں بھی تعدداز دواج کی اجازت ہے، چنانچہ شیخ محمود عقاد نے لکھا ہے کہ سترہویں صدی تک خود اہل کلیسا نے تعدداز دواج کی حمایت کی ہے، فرماتے ہیں:

''مختلف انسانی نظام ازدواج کی تاریخ کا مستند عالم وسٹر مارک (Vister marc) نے بیان کیا ہے کہ کلیسا اور حکومت دونوں ہی سترہویں صدی کے نصف تک تعدداز دواج کو مباح قرار دیتے تھے اور ان کے یہاں بکثرت اس کا رواج تھا'' (الفلسفۃ القرآنیہ: ۵۴)

غرض دنیا کے مشہور مذاہب میں شاید ہی کوئی مذہب ہو، جس نے تعدداز دواج کو جائز نہ رکھا ہو، اسلام نے بھی تعدداز دواج کی اجازت دی ہے، لیکن اس کے لئے بنیادی طور پر دو باتوں کی تحدید رکھی ہے، اول یہ کہ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ چار تک ہی تعدداز دواج کی اجازت ہے، دوسرے یہ اجازت عدل کے ساتھ مشروط ہے، یعنی جو شخص ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان حقوق کی ادائیگی اور سلوک و برتاؤ میں برابری کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اسی کے لئے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت ہے، پس اسلام نے ایک طرف سماجی ضرورت کی رعایت بھی کی ہے اور دوسری طرف ان حدود و قیود کے ذریعہ اس اجازت کو متوازن بنانے کی کوشش بھی کی ہے۔

دوسرا پہلو تعدداز دواج میں سماجی ضرورت کا ہے، عام طور پر لڑکوں اور لڑکیوں کی شرح پیدائش میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہوتا، سوائے اس کے کہ انسان مصنوعی طور پر لڑکوں یا لڑکیوں کی پیدائش میں خلل پیدا کر دے؛ لیکن شرح اموات میں مردوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ زیادہ تر حادثات میں مردوں کی جانیں کام آتی ہیں، مثلاً پہلی جنگ عظیم جو ۱۹۱۴ سے ۱۹۱۸ تک جاری رہی، میں اسّی لاکھ صرف فوجی مارے گئے، شہریوں کی تعداد

اس کے علاوہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ فوجی مرد تھے، دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۹ تا ۱۹۴۵ جاری رہی، جس میں کل ساڑھے چھ کروڑ آدمی یا تو ہلاک ہو گئے یا معذور، ان مہلوکین اور معذورین میں غالب ترین اکثریت مردوں کی تھی، اس جنگ عظیم میں برباد ہونے والا قائد ملک جرمنی تھا، ۱۹۲۰ سے ۱۹۴۰ تک جرمنی میں یہ کیفیت تھی کہ ہر مرد کے مقابلہ شادی کی عمر کو پہونچی ہوئی تین عورتیں ہوتی تھیں، فرانس میں ۱۹۰۰ء کی مردم شماری کے اعتبار سے عورتوں کی تعداد مردوں سے چار لاکھ، تئیس ہزار، سات سو نو سے زیادہ تھی، اور آسٹریلیا میں ۱۸۹۰ء میں چھ لاکھ، چوالیس ہزار، سات سو، چھیانوے عورتیں مردوں سے زیادہ تھیں، عراق ایران جنگ (۱۹۸۸۔۱۹۷۹) میں عراق کی ایک لاکھ اور ایران کی بیاسی ہزار عورتیں بیوہ ہوگئیں۔

جنگوں کے علاوہ جو دوسرے ٹریفک یا صنعتی حادثات پیش آتے ہیں اور جو لوگ غنڈہ گردی کا نشانہ بنتے ہیں، وہ بھی عام طور پر مرد ہی ہوتے ہیں، پھر اگر جیلوں میں طویل المدت قیدیوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں نوے فیصد سے زیادہ تعداد مردوں کی ہوتی ہے؛ کیوں کہ طویل قید بھیانک جرائم پر ہوتی ہے، اور اپنی نفسیاتی کمزوری کی بنا پر مجرم ذہن کی عورتیں بھی بھیانک قسم کے جرائم کا حوصلہ نہیں پاتیں، ان اسباب کی بناء پر عام طور پر ایک مرد کے مقابلہ ایک سے زیادہ عورتوں کا تناسب پایا جاتا ہے، امریکہ جیسے ملک میں جس میں حادثات سے حفاظت کا زیادہ ترقی یافتہ نظام قائم ہے، اور دفاعی ٹکنالوجی میں ترقی اور بالادستی کی وجہ سے حریف ملکوں کے مقابلہ اس کی فوجیوں کی ہلاکت کا تناسب بہت کم ہوتا ہے، ایک رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۷ء میں وہاں عورتوں کی آبادی بمقابلہ مردوں کے تقریباً اسی لاکھ زیادہ تھی۔

ان حالات میں اگر تعدداز دواج کی اجازت نہ دی جائے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ خواتین کی ایک بڑی تعداد تجرد اور محرومی کی زندگی گذاریں؛ اس لئے تعدداز دواج مردوں کی ہوس اور نفسانی طمع کی تکمیل نہیں، بلکہ ایک سماجی ضرورت ہے۔

تعدداز دواج کے مسئلہ میں سب سے اہم پہلو اخلاقی ہے، عفت و عصمت انسانیت کا بنیادی جوہر ہے، گائے اور بیل، گھوڑے، گدھے اور ان کی مادہ کے درمیان کیا کبھی نکاح ہوا ہے؟ --- ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے، نر و مادہ کی تقسیم اور جنسی خواہش انسان میں بھی ہے اور دوسرے حیوانات میں بھی؛ لیکن یہ انسانی سماج کا امتیاز ہے کہ نکاح کے ذریعہ ایک مرد اور عورت رشتۂ ازدواج میں بندھ جاتے ہیں، اور ان کی وفاداریاں ایک دوسرے کے لئے محدود و مخصوص ہو جاتی ہیں، دوسری مخلوقات اس وفاداری سے نا آشنا ہیں، اسی وفاداری کا نام ''عفت و عصمت'' ہے، عفت و عصمت انسان کی فطرت میں ہے اور ہر سلیم الفطرت شخص اس کا ادراک کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان اپنی ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے بارے میں برائی کی نسبت کو برداشت نہیں کر سکتا، تعدداز دواج اس جوہر عفت کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے، دنیا کی تاریخ میں جب کبھی بھی قانونی تعدداز دواج پر روک لگائی گئی ہے، وہاں غیر قانونی تعدداز دواج نے ضرور راہ پائی ہے، قدیم تہذیبوں میں یونانی اور رومی تہذیب تعدد ازدواج کی مخالف تھی، ایڈورڈ ہارٹ پول لیکی (۱۸۳۸۔۱۹۰۳ء) نے یونانی تہذیب کے بارے میں لکھا ہے کہ مرد کے لئے ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت نہ تھی؛ لیکن غیر قانونی داشتاؤں پر کوئی روک ٹوک بھی نہیں تھی۔ (تاریخ اخلاق یورپ، ص: ۲۴۰، ''ترجمہ دریابادی'')

چنانچہ منصف مزاج غیر مسلم دانشوروں نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، علم تمدن کے معروف عالم ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتے ہیں :

''مغرب میں بھی ایک ہی شادی کی رسم کا وجود صرف کتابوں ہی میں ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی شخص انکار نہ کرے گا کہ یہ رسم ہماری واقعی معاشرت میں نہیں پائی جاتی ہے، میں نہیں جانتا کہ مشرقیوں کا جائز تعدد کسی امر میں مغربیوں کے ناجائز تعدداز دواج سے کمتر سمجھا جاتا ہے؟ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اول کو ہر طرح دوسرے پر ترجیح ہے'' (تمدن عرب: ۳۶۶)

جناب مالک رام، ملک کے حقیقت پسند اصحاب دانش میں تھے، ان کا یہ اقتباس پڑھنے کے لائق ہے:

تعدداز دواج کی تائید میں متعدد دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں، مثلاً یہ کہ عام حالت میں دنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے کہیں زیادہ ہے، اگر

ایک مرد، ایک عورت کے اصول پر عمل کیا جائے تو ان زائد عورتوں کا کیا بنے گا؟ کیا ہم ان پر نکاح کا راستہ بند کر کے ان کی اور ان کے ساتھ شادی شدہ مردوں کی بھی گمراہی کا سامان تو پیدا نہیں کر رہے ہیں ..... اگر آپ ان عورتوں کو نکاح کرنے کا موقع نہیں دیتے تو گویا انہیں قعر مذلت میں ڈھکیل رہے ہیں اور انہیں مجبور کر رہے ہیں کہ وہ گناہ کی زندگی بسر کریں، کیوں کہ یہ جذبہ فطری ہے، اگر عورت سماج کی اجازت سے اس کی تسکین نہیں کر سکے گی تو سماج کو دھتا بتائے گی اور گھونگھٹ کی اوٹ میں شکار کھیلے گی اس صورت میں آپ کو کسی اور حرام اولاد کا وجود قانوناً تسلیم کرنا پڑے گا، حق انتخاب آپ کو حاصل ہے، ایک طرف آپ اس عورت کو قابل عزت بیوی اور گھر کی مالکہ اور محترم ماں بنانے پر قادر ہیں، دوسری صورت میں وہ قابل نفرت داشتہ یا کسی کی خانماں برباد اور اپنے اور تمام سماج کے لئے کلنک کا ٹیکا بننے پر مجبور ہے'' (اسلامیات:۱۶۲،۱۶۱)

پس حقیقت یہ ہے کہ تعدداز دواج کی گنجائش ایک عفیف و پاک دامن سماج کے لئے ضرورت کے درجہ میں ہے، اور یہ کوئی نظری فلسفہ نہیں؛ بلکہ مغرب کا عصمت باختہ سماج اس کی عملی مثال ہے۔

تعدداز دواج میں ایک پہلو عورت کے ساتھ رحمدلی کا بھی ہے، اگر ایک عورت دائم المریض ہو، صاحب اولاد بننے یا اور کسی مناسب یا نامناسب وجہ سے مرد دوسرے نکاح پر مصر ہو اور اگر تعدداز دواج کی گنجائش نہ رکھی جائے تو یا تو وہ اسے طلاق دے دے گا، جس کا مذموم ہونا ظاہر ہے یا وہ غیر قانونی تعدداز دواج کا راستہ اختیار کرے گا، اور غیر قانونی بیوی قانونی بیوی سے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے، کیوں کہ وہ مرد کو زیادہ بلیک میل کر سکتی ہے، اور اپنے خنجر ناز سے قانونی بیوی کو گھائل کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے، ایسی صورتوں میں تعدداز دواج رحمت ثابت ہوتی ہے نہ کہ زحمت، مطلقہ اور بیوہ خواتین کے مسائل کا حل اکثر یہی تعدداز دواج بنتا ہے، اور یہ تعدداز دواج بھی دوسری بیوی کی رضامندی اور خوشنودی ہی سے وجود میں آتا ہے؛ کیوں کہ کسی عورت کو دوسری بیوی بننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اب عورتوں کو بھی اس بات کو سمجھنا چاہئے کہ جب عورتوں کی شرح آبادی مجموعی طور پر مردوں سے زیادہ ہے تو وہ بحیثیت عورت اپنی ان بہنوں کے لئے قانونی طور پر رشتۂ نکاح میں منسلک ہونا پسند کریں گی یا یہ بات کہ وہ وقتاً فوقتاً مختلف مردوں کی غیر قانونی بیوی بنتی رہیں اور ان حقوق و فوائد سے بھی محروم رہیں جو ایک بیوی کو اپنے شوہر سے حاصل ہونے چاہئیں؟

تعدداز دواج کے مسئلہ میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے والوں کا رویہ بھی قابل توجہ ہے، کہ ایک طرف وہ قرآن مجید کی اجازت سے فائدہ اٹھا کر دوسرا نکاح کرتے ہیں اور دوسری طرف قرآن ہی کی لگائی ہوئی عدل و انصاف کی شرط کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، تعدداز دواج ایک سنجیدہ فیصلہ ہے نہ کہ پہلی بیوی سے انتقام کا طریقہ، عوام تو عوام خواص اور اہل علم بھی جب دوسرا نکاح کرتے ہیں تو کھلے ہوئے ظلم و جور سے اپنا دامن آلودہ کر لیتے ہیں، اور زیادہ تر پہلی بیوی کو اور بعض واقعات میں دوسری بیوی کو معلقہ بنا کر رکھ دیتے ہیں، یہ صریحاً ظلم اور گناہ عظیم ہے، اور اللہ کی شریعت سے کھلواڑ کرنے کے مترادف ہے، جو شخص عدل پر قادر نہ ہو اس کے لئے ایک ہی بیوی پر قناعت کرنا واجب ہے، ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا درست نہیں؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل نہیں کر سکو گے تو تمہیں ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے'' فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً '' (النساء:۳)؛ بلکہ ممتاز حنفی فقیہ علامہ برہان الدین مرغینانی (جن کی کتاب ''ہدایہ'' صدیوں سے دینی جامعات کے نصاب میں داخل ہے) نے اپنی کتاب ''مختارات النوازل'' میں لکھا ہے کہ ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنا افضل طریقہ ہے؛ تاکہ عدل کی خلاف ورزی کا اندیشہ نہ رہے۔

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ تعدداز دواج کی اجازت ایک سماجی و عمرانی ضرورت اور عفت و پاک دامنی کی حفاظت کا ذریعہ ہے، اور اپنے نتائج و اثرات کے اعتبار سے خود عورتوں کے لئے بعض حالات میں باعث رحمت ہے؛ البتہ یہ بات ضروری ہے کہ تعدداز دواج کے لئے شریعت نے جو حدود و قیود مقرر کی ہیں، ان کا لحاظ رکھا جائے، ورنہ یہ قانون حکم شریعت کا استعمال نہیں بلکہ ''استحصال'' ہوگا (بقیہ صفحہ ۶ پر)

قاضی ایکٹ-ضرورت ومقاصد

محمد احمد کاظمی مرحوم

مسودہ انفساخِ نکاحِ مسلم میں ابتداءً راقم الحروف نے دفعہ ۶ اس مضمون کی رکھی تھی کہ مقدمات انفساخ نکاح کی سماعت مسلم حاکم کرے گا، اور اس کے فیصلہ کی سماعت ایک مسلم جج ہائی کورٹ کرے گا، دفعہ مذکورہ کی گورنمنٹ نے نہایت سختی سے مخالفت کی تھی، اس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ موجودہ عدالتوں میں مذہبی بنا پر تفریق کرنے کے لئے وہ اس لئے تیار نہیں ہیں کہ اس اصول کو تسلیم کرنے سے ان کا تمام عدالتی نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف نے اپنی تقریر میں اس امر کی وضاحت کردی تھی کہ دراصل مسلم حاکم رکھنے سے بھی مسلمانوں کی اصل شرعی ضرورت پوری نہیں ہوتی، اس مسودہ میں مسلم حاکم کی شرط محض اس غرض سے رکھی گئی تھی کہ مسلمانوں کی شرعی ضرورت کم از کم برائے نام پوری ہوجائے اور گورنمنٹ پر کسی مزید خرچہ کا بار نہ پڑے، لیکن مسلمانوں کی اصل ضرورت تو محض قاضیوں کے تقرر سے ہی پوری ہوسکتی ہے، اور اس کے لئے میں جداگانہ بل بعد میں پیش کروں گا، اور واقعہ یہ ہے کہ شرعاً جو شرائط قاضی کے تقرر کے لئے ضروری ہیں، وہ موجودہ زمانہ کے حکام کے تقرر پر منطبق نہیں ہوتیں، مثلاً قاضی کے لئے ضروری ہے کہ وہ علاوہ علوم دینی کے ماہر ہونے کے نیک چلن بھی ہو، اور نجی معاملات میں بھی اگر وہ خیانت یا بدچلنی کا مرتکب ہو تو وہ اس عہدے کے قابل نہیں رہتا، لیکن نیک چلنی کی شرط موجودہ حکام کے لئے ضروری نہیں ہے، محض پبلک فرائض کی انجام دہی اس کے لئے کافی ہے، مثلاً اگر کوئی حاکم شراب پیتا ہو تو اس کا یہ فعل اس کی علیحدگی کے لئے کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، برعکس اس کے اگر قاضی ایسے فعل کا مرتکب ہو تو وہ عہدۂ قضا کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مقرر نہیں کیا جاسکتا، یہ اسلامی شرع ہی ہے کہ جس نے عدل کرنے کی قابلیت کو تبحر علمی کے ساتھ نیک چلنی پر مشروط کیا ہے، اس اصول کی خوبی ایسی واضح ہے کہ اس کے متعلق کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں، غرضیکہ مسلمانوں کی اصل ضرورت نہ موجودہ حکام سے پوری ہوسکتی ہے اور نہ گورنمنٹ ہی اس کے لئے تیار ہے، اس وجہ سے اس کے لئے جداگانہ بل مرتب کیا گیا ہے۔

موجودہ حکومت سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ جداگانہ محکمۂ قضاء قائم کرکے اس کے مصارف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو، یا اس سلسلے میں مسلمانوں سے کوئی جداگانہ ٹیکس وصول کرکے ایسا محکمہ قائم کرے، اس لئے کہ کسی ایسے ٹیکس کی نوعیت اور اس کے طریق وصول کا تعین کرنا مشکل ہے، اور اس مسودہ کے ''وجوہ ومقاصد'' پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے زمانہ میں بھی قاضیوں کے اخراجات کی کفالت زیادہ تر نکاح پڑھانے کی فیس سے ہوتی تھی، اس لئے موجودہ مسودہ میں بھی محض فیس پر اکتفا کیا گیا ہے، اس مسودہ کی رو سے قاضیوں کے سپرد دو کام کئے گئے ہیں، ایک نکاح پڑھانا اور اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اور دوسرے طلاق وخلع وغیرہ کے مقدمات فیصل کرنا، یہ ظاہر ہے کہ نکاح پڑھانے کے لئے قاضیوں کی ضرورت نہیں، اسی طرح مقدمات فیصل کرنے والے قاضیوں کے لئے جس علمیت وقابلیت کی ضرورت ہے اس کی نکاح پڑھانے والے قاضیوں کے لئے ضرورت نہیں، اس وجہ سے مقدمات طے کرنے والے قاضیوں کے لئے مستند عربی مدارس کی سند علمی کا حصول ضرور رکھا گیا ہے، اور اس قانون کے آخر میں ان مدارس کی تفصیل ہوگی جن کی سندات اس کے لئے ضروری قرار دی جائیں گی۔

علاوہ ازیں قاضی کے ساتھ ایک عالم دین اور ایک وکیل کو بھی فیصلۂ مقدمات کرنے کے لئے قاضی کا شریک رکھا گیا ہے، تاکہ فیصلہ کی صحت پر پبلک کا پورا اعتماد ہوجائے۔

مسودہ بل جو ہم رشتہ درج کیا جاتا ہے وہ لفظاً لفظاً اس مسودہ کا ترجمہ نہیں ہے، جس کا نوٹس دیا گیا ہے، بلکہ اس کو عام فہم بنانے کے لئے تمام

اصول بل کی دفعات کی شکل میں رکھ دئے گئے ہیں، اگر چہ بل میں بھی دفعات کے نمبر قریب قریب یہی ہیں، اظہار رائے عامہ کے بعد اصل بل میں ضروری ترمیم کی جاسکتی ہے، بل کا نوٹس ۱۳ر جون ۳۹ء کو دے دیا گیا ہے، اور امید ہے کہ ستمبر کے اسمبلی کے اجلاس میں اس کے پیش کرنے کی نوبت آجائے گی۔

شرع اسلامی کی رو سے بعض مذہبی ونیم مذہبی معاملات کے تصفیہ کے لئے بادشاہ وقت کے باضابطہ مقرر کردہ قاضی کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً انفساخ نکاح کی ڈگری قاضی ہی دے سکتا ہے، اس کے علاوہ بعض مذہبی ارکان کی ادائیگی کے لئے بھی قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی امامت اور نکاحوں کے پڑھانے کے لئے قاضیوں کی ضرورت ہوتی ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے آباد ہوجانے کے بعد سے بادشاہ وقت کی جانب سے قاضی شہروں، قصبوں اور مختلف پرگنوں میں شرع اسلامی کے مطابق فرائض کی انجام دہی کے لئے مقرر کئے جاتے تھے، سلطنت انگریزی نے بھی ابتدائی دور میں قاضیوں کے تقررات کو تسلیم کیا، اس سلسلہ میں ریگولیشن نمبر ۳۹ ۱۷۹۳ء میں سب سے پہلا قانون بنایا گیا، اس قانون کا مقصد عہدۂ قاضی اور قاضی القضاۃ کو تسلیم کرنا اور ان کے تقررات کا انتظام کرنا تھا، اس قانون کی دفعہ ابتدائی حسب ذیل ہے:

''پٹنہ، ڈھاکہ، مرشدآباد اور بڑے بڑے قصبوں اور پرگنوں میں قاضی اس غرض سے مقرر کیے جاتے ہیں کہ وہ دستاویزات انتقال اور دوسرے قانونی دستاویز کو مرتب کریں، اور تصدیق کریں، نکاح پڑھائیں، اور دوسرے مذہبی رسوم کی ادائیگی مطابق شرع اسلامی کریں، جیسا کہ وہ اب تک برٹش گورنمنٹ کے تحت کرتے رہے ہیں، نیز حسب ریگولیشن نمبر ۷ او ۲۲ ۱۷۹۳ء کے ان کے سپرد یہ کام بھی ہے کہ وہ جائداد مقروضہ کے نیلام کی .....نگرانی کریں، اور خیراتی اور دوسری قسم کی پنشنیں اور الاؤنس لوگوں میں تقسیم کریں، فرائض مذکورہ بالا کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری ہے کہ ان عہدوں پر ایسے لوگ مقرر کیے جائیں جو اچھے چال چلن کے ہوں اور قانون کی مناسب واقفیت رکھتے ہوں، اور ان فرائض کو محنت وایمان داری سے کرنے کے لئے ان کی ہمت افزائی کے واسطے ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے عہدوں سے اس وقت تک نہ ہٹائے جائیں جب تک گورنر جنرل کا یہ اطمینان نہ ہوجائے کہ وہ نا قابل ہیں، یا کسی بدچلنی کے مرتکب ہوئے ہیں، اس لئے حسب ذیل قوانین نافذ کئے جاتے ہیں''۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سلطنت کا رقبہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ اسی نوعیت کے ریگولیشن اور قوانین دوسرے صوبوں میں بھی نافذ کئے گئے ہیں لیکن اس زمانہ میں قاضیوں کے علاوہ ہندو اور مسلمان افسران قانونی عدالتوں میں اس غرض سے مقرر کیے جاتے تھے کہ وہ دھرم شاستر اور شرع اسلامی کے مقدمات کے تصفیہ میں ججوں کی امداد کریں، اس زمانہ میں جو جج مقرر کئے جاتے تھے ان کو شرع اسلامی اور دھرم شاستر سے کوئی واقفیت نہ ہوتی تھی، اس کا سبب یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقصد یہ تھا کہ وہ رفتہ رفتہ عدالتی کام ہندوستانیوں کے ہاتھ سے نکال کر انگریز ججوں کے سپرد کردے، اور ان ججوں کی امداد کے لئے یہ افسر مقرر کیے جاتے تھے، اس وجہ سے اس محکمہ کی حیثیت دوامی نہ تھی، معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ نے یہ سمجھا کہ ہندو اور مسلم قانونی افسران کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی، اس لئے کہ وہ رفتہ رفتہ انگریز ججوں کو دھرم شاستر اور شرع اسلامی کافی طور پر سکھلا چکے تھے، اور انگریزی میں ان قوانین کے متعلق کتابیں لکھی جاچکی تھیں، اور ان شعبہ جات کے متعلق قانونی نظائر کی بھی اتنی کافی تعداد ہوچکی تھی کہ وہ آئندہ کے لئے عدالتوں کی رہنمائی کے واسطے کافی تھیں، چنانچہ اب ان کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی، اور اس لئے ان کو ایکٹ نمبر ۱۱ کی رو سے علیحدہ کردیا گیا، لیکن ہندو اور مسلم افسران کی علیحدگی کے ساتھ ساتھ وہ ریگولیشن اور قوانین بھی منسوخ کردئے گئے جو قاضیوں کے متعلق تھے، حالانکہ محکمہ قضاء کی وجہ سے سلطنت پر کوئی زیادہ بار نہ تھا، اور نہ قاضیوں کی حیثیت وضرورت ہندو مسلم قانونی افسران کی طرح پر عارضی تھی، آنریری مسٹر اے اے رابرٹ نے مسودۂ قانون ایکٹ نمبر ۱۱ ۱۹۶۴ء کے پیش کرنے کی اجازت کے سلسلہ میں جو تقریر کی اس میں اولاً ہندو مسلم قانونی افسران کی علیحدگی کے وجوہات بیان کیے اور اس کے بعد قاضی القضاۃ اور قاضی کے متعلق حسب ذیل الفاظ کہے:

قاضی القضاۃ

''اس مسودۂ قانون کا یہ بھی مقصد ہے کہ گورنمنٹ اپنا تعلق قاضی القضاۃ یعنی صوبہ کے بڑے قاضی اور شہر وقصبہ اور پرگنہ کے قاضیوں کے

عہدوں سے قطع کر لے، ان عہدوں کا نہ ہم پر مدار تھا نہ وہ برطانوی سلطنت کے کسی قانون کے پیداوار تھے، یہ سلطنت اسلامی اور مسلمانوں کی سوسائٹی کے قائم کردہ تھے، جب ہماری سلطنت شروع ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہر شہر اور قصبہ و پرگنہ میں قاضی موجود ہے، اور ہمارے شروع زمانہ کے قانون بنانے والوں نے صرف یہ کیا کہ ان قاضیوں کے فرائض کی تفصیل بیان کردی اور اس بات کا انتظام کردیا کہ ان عہدوں پر اچھے چال چلن کے اور تعلیم کے لحاظ سے قابل لوگ مقرر کیے جائیں''۔

اس کے بعد مسٹر رابرٹس نے یہ بتلایا کہ رفتہ رفتہ کس طرح پر دستاویزات انتقال اور دیگر قانونی دستاویزات کی تیاری اور ان کی تصدیق کا کام اور نوٹیری پبلک (Notary Public) کا کام باضابطہ محکمہ جات قائم ہوجانے کی وجہ سے قاضیوں کے ہاتھ سے نکل گیا، اگرچہ اس زمانہ میں بھی قاضی دستاویزات کی تصدیق کیا کرتے تھے، اور عدالت ان کو مانتی بھی تھی، لیکن یہ کام ان کے ہاتھ سے بڑی حد تک نکل چکا تھا، مسٹر رابرٹس نے یہ بھی دکھلایا ہے کہ جائیدادوں کے مال کی کچی قرقی اور نیلام کرنے کا کام بھی رفتہ رفتہ قاضیوں کے ہاتھ سے نکل گیا، خیراتی اور دوسری قسم کی پنشنوں کا کام بھی ان سے لیا جاچکا ہے۔

قاضیوں کی تنخواہ کی وجہ سے سلطنت پر جو بار تھا اس کے متعلق مسٹر رابرٹس نے حسب ذیل الفاظ کہے: ''ممکن ہے کہ قاضیوں کو کچھ چھوٹی چھوٹی تنخواہیں سلطنت سے ملتی ہوں، اور مدراس اور بمبئی میں کچھ اوقاف بھی ایسے تھے جن سے ان کو گذارہ ملتا تھا، لیکن زیادہ تر قاضیوں کی ان خدمات کا معاوضہ جو وہ سلطنت کی کرتے تھے عید کے تہوار کے موقع پر خلعت ونذرانہ یعنی روپیہ وشان کی شکل میں دیا جاتا تھا، پبلک کی خدمات اور نکاحوں وغیرہ کے پڑھانے کا معاوضہ وہی لوگ ادا کرتے تھے جو ان سے کام لیتے تھے''۔

آخر میں مسٹر رابرٹس نے مجوزہ قانون کے پاس ہونے کا اثر حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا:

''خواہ وہ قاضی جن کو گورنمنٹ اب تک مقرر کرتی رہی ہے یا وہ قاضی جنہوں نے اپنی قوم میں اپنی قوت سے اپنے آپ کو قاضی تسلیم کرالیا ہے، وہ اپنے تمام ایسے فرائض کی انجام دہی میں جو شرع اسلامی کے مطابق تھے، اور جن کو وہ اب تک انجام دیتے رہے تھے، آئندہ انجام دینے کے لئے وہ بالکل آزاد ہوں گے، اس مسودۂ قانون کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان قوانین کو منسوخ کردیا جائے جو قاضیوں کے تقرر کے متعلق تھے، اور اس بات کا اعلان کردیا جائے کہ آئندہ سے گورنمنٹ ان عہدوں پر کسی کا تقرر نہ کرے گی''۔

جس وقت کہ یہ بل کونسل میں پیش کیا گیا تو کونسل کے واحد مسلمان ممبر نواب یوسف علی خاں والی رامپور جو شاید اسی غرض کے لئے کونسل کے ممبر کئے گئے تھے اس لئے کہ انہوں نے اسی دن حلف لیا تھا، انہوں نے قاضیوں کی علیحدگی کے بارے میں جو دفعات تھیں اس کی مخالفت کی، لیکن بل پاس ہوگیا، اس بل کے پاس ہونے سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ ان توقعات کے بالکل خلاف تھے جن کی طرف محرک نے بل پیش کرتے وقت اشارہ کیا تھا، محرک کو یہ توقع تھی کہ گورنمنٹ کے قاضیوں کے تقرر سے دست کشی کر لینے کے باوجود قاضی مسلمانوں میں بدستور کام کرتے رہیں گے، لیکن ایسا نہ ہوا، اس کی وجہ دو تھیں: اولاً یہ کہ شرع اسلامی کی رو سے اس امر کی ضرورت ہے کہ قاضی بادشاہ وقت کا مقرر کردہ ہو، دوسرے یہ کہ ۱۸۶۴ء کے قانون کے پاس ہونے کے بعد بمبئی اور مدراس کے ہائی کورٹوں نے بھی یہ فیصلے کئے کہ قاضی وہی ہوسکتا ہے جو سلطنت کا مقرر کردہ ہو۔

غرض کہ باضابطہ مقرر کردہ قاضی کے نہ رہنے کی وجہ سے مسلم قوم کو سخت مشکلات پیش آئیں، جس کی بابت گورنمنٹ کو بار بار توجہ دلائی گئی، بالآخر سرسید احمد خاں مرحوم نے ۱۸۸۰ء میں لیجسلیٹو کونسل میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس کا نام ''قاضی ایکٹ'' تھا، جو ایکٹ نمبر ۱۲-۱۸۸۰ء کی حیثیت سے پاس ہوا، اس قانون کی وجہ سے لوکل گورنمنٹ کو یہ اختیار دیا گیا کہ کسی مقام کے مسلمانوں کی خواہش پر اس مقام یا رقبہ کے لئے قاضی کا تقرر کردیں، لیکن اس قاضی کو کسی قسم کے اختیارات نہیں دیے گئے، اور گورنمنٹ کے تقرر سے اگر قاضی کی کوئی حیثیت بھی قائم ہوئی تھی تو اس کو قانون کی دفعہ ۴ نے بالکل ہی ختم کردیا، دفعہ ۴ کا مضمون یہ ہے:

''اس قانون کے کسی لفظ سے یا اس قانون کی رو سے کسی قاضی کے تقرر ہوجانے کی وجہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ:

(الف) کسی قسم کے عدالتی یا انتظامی اختیارات کسی قاضی کو ہوں جو بروئے قانون ہذا مقرر کیا گیا ہے۔

(ب) قاضی یا نائب قاضی کی موجودگی کسی نکاح کے پڑھانے یا کسی دوسری رسم کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے۔

(ج) کوئی شخص قاضی کے فرائض کی انجام دہی کرنے سے ممنوع نہیں کیا گیا۔

بالفاظ دیگر قاضی کو باوجود مقرر کیے جانے کے کسی دوسرے شخص پر ترجیح نہ تھی، اور نہ اس کو کوئی اختیارات تھے، ایسے قاضی کے تقرر سے کوئی فائدہ نہ تھا، کسی ایسے قاضی سے جس کے مقابلہ میں ہر وہ شخص جس کا جی چاہے کھڑا ہوکر یہ کام کرسکتا ہو اس سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے شہر یا اپنے پرگنہ کے کل نکاحوں کا مکمل ریکارڈ رکھ سکے گا، ایسا قاضی نکاحوں کی منسوخی کے لئے بھی کچھ کار آمد نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ اس کو عدالتی اختیارات حاصل نہ تھے، اس قانون کا یہ نقص اس قدر صریح تھا کہ جب یہ بل کونسل میں منظوری کے لئے پیش ہوا تو اس زمانہ کے وائسرائے لارڈ رپن کو اس عجیب بل کی اس عجیب خصوصیت کو دیکھ کر تعجب ہوا، اور اس دن کی روئیداد میں لارڈ رپن نے جو گفتگو کی اس کے متعلق حسب ذیل اندراج ہیں:

''بل کی دفعہ ۴ کے ضمن الف کا مقصد یہ ہے کہ اس قانون کی رو سے کسی قسم کا عدالتی یا کوئی دوسرا اختیار قاضی یا نائب قاضی مقرر کردہ کو نہ دیا جائے گا، ان کی رائے میں یہ ایک عجیب بات تھی کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ ایسے شخص کو جس کو قانونی طور پر مقرر کیا جاتا ہے، کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا''۔

وائسرائے صاحب کا یہ ریمارک نہایت با موقع تھا، اور مستقبل نے ثابت کردیا کہ میدان قانون سازی کا یہ نیا تجربہ بالکل ناکامیاب رہا، اس بل کی تائید میں جس کے متعلق اس وقت یہ خیال تھا کہ مسلم قوم کی مشکلات رفع کرنے میں ایک حد تک مدد دے گا، بمبئی کے آنریبل مسٹر گپسن نے حسب ذیل الفاظ کہے:

''اس بل کے متعلق وہ کہہ سکتے ہیں کہ قاضیوں کے نہ ہونے کی تکلیف بمبئی کی طرف بہت ہے، پہلے زمانہ میں جب تک کہ ایکٹ نمبر ۱۲- ۱۸۶۴ء پاس نہیں ہوا تھا اس زمانہ میں تمام بڑے مقامات اور بمبئی میں گورنمنٹ کے مقرر کردہ قاضی ہوتے تھے، اور وہ چھوٹے تنازعات طے کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئے تھے، اگر ایسے تنازعات وہ طے نہ کرتے تو مجسٹریٹوں اور عدالتوں کے لئے باعث تکلیف ثابت ہوتے، انہوں نے یہ کہا کہ ان کی سمجھ میں یہ کبھی نہیں آیا کہ قانون ۱۸۶۴ء کی رو سے ملک کے تمام قاضیوں کو کیوں صاف کردیا گیا۔ لیکن اس سے ایک نقصان پہونچا کہ مسلمان قوم ایک قسم کے سردار سے محروم ہوگئی جن سے وہ اپنے چھوٹے خانگی مشکلات حل کرا سکتے تھے، انہیں اس کمی کا بہت احساس ہے، بعض دفعہ تو اس کمی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ لوگ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں، اور قانون شکنی کرتے ہیں، اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ خوش ہیں کہ قاضیوں کی تقرری کا بل پیش کردیا گیا ہے''۔

لیکن اس قانون میں نقص ایسا تھا کہ اس سے مسلم قوم کو متوقع فائدہ نہ پہنچ سکا اور اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور آج وہ ایک محض بے اثر قانون ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ ضرورت

اس طرح پر مسلمانوں کی ایک پرانی اور مسلمہ ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ مسودہ قانون پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس بل کے حدود بہت مختصر ہیں، اس لئے کہ اس کی رو سے جو اختیارات قاضی کو دئے گئے ہیں وہ ان اختیارات سے بہت ہی کم ہیں جو ان کو شرع اسلامی کی رو سے ملتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ یہ اختیارات ان اختیارات سے بھی کم ہیں جو اس زمانۂ ابتدائی میں خود برطانوی گورنمنٹ کے قانون سے ان کو دئے جاتے تھے، اس قانون کی رو سے خالص طور پر دو ضرورتوں کو پورا کرنا مقصود ہے، ایک یہ کہ نکاحوں کا باقاعدہ اندراج کیا جائے، اور اس کا ریکارڈ قاضی رکھے۔ دوسرے یہ کہ طلاق، انفساخ نکاح وغیرہ کے مقدمات کے فیصلہ کے لئے ایک پنچایت مقرر کی جائے، جس کے ممبر قاضی، عالم اور ایک وکیل ہو، چونکہ شرع اسلامی اس معاملہ میں بہت سخت ہے، اس وجہ سے جج ضلع اور ہائی کورٹ میں اپیل کرنے کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ قاضی عدالتہائے مذکورہ سے حسب ضرورت استصواب کرکے معاملہ کو فیصل کرے، اس طریقہ سے برطانوی عدالتوں کے ضابطۂ کارروائی میں کوئی بڑی تبدیلی نہ ہوگی، شرع اسلامی کی ضروریات پوری ہوجائیں گی، اور توقع یہ ہے کہ مسلم قوم کی ایک بڑی ضرورت اس بل سے پوری ہوجائے گی۔

(مدینہ، نمبر ۵۲، جلد ۲۸، مورخہ ۲۱/ جولائی ۳۹ء ص ۴ ج ۱۰)

❁❁❁

ہمارے موجودہ مسائل کا حل

مولانا محمد الیاس ندوی بھٹکلی (رکن بورڈ، بھٹکل)

اس وقت ہمارے ملک ہندوستان میں شاید ہی کوئی ہفتہ ایسا خالی جاتا ہو جس میں کسی بھی ادارہ یا تنظیم کی طرف سے مسلمانان ہند کے موجودہ مسائل پر کوئی کل ہند سمینار، کانفرنس، سمپوزیم یا مشاورتی نشست نہ ہوتی ہو، اسی طرح کوئی دن ایسا نہیں جاتا جس میں قومی سطح کے اخبار میں کسی مسلمان لیڈر، عالم دین یا ایسے غیر مسلم دانشور کا انٹرویو شائع نہ ہوتا ہو جس کو مسلمانوں سے ہمدردی ہو اور اس کی گفتگو کا محور مسلمانوں کے موجودہ مسائل اور اس کا حل نہ ہو، ان سب کا خلاصہ ہم مندرجہ ذیل مسائل کی صورت میں بیان کر سکتے ہیں:

'' مسلمانوں کا تعلیمی میدان میں پچھڑا پن، اقتصادی معاشی بدحالی، سرکاری ملازمتوں میں کمی، ملکی سطح پر سیاسی میدان میں کم ہونے والی نمائندگی اور پارلیمنٹ و اسمبلیوں میں ان کی گھٹتی تعداد، وقفہ وقفہ سے ہونے والے فسادات اور محکمہ پولس کی طرف سے ہونے والی ہراسانی، مسلم نوجوانوں کی آئے روز کی دھڑ پکڑ، بے بنیاد الزامات کے ذریعہ ان کی گرفتاری، خود عدلیہ کی طرف سے مسلمانوں کے حق میں ہونے والی ناانصافی وغلط فیصلے اور ان کے عائلی مسائل یعنی پرسنل لا وغیرہ میں آئے روز مداخلت وغیرہ وغیرہ''

ان سب مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ہم تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ ان سب مسائل کے پیدا کرنے میں جن لوگوں کا ہاتھ ہے وہ ہمیشہ اس طرح وقفہ وقفہ سے ہمیں کیوں پریشان کرنا اور دینی/ سماجی/ سیاسی/ معاشی اور تعلیمی میدان میں ہمیشہ ہمیں زک پہنچانا چاہتے ہیں، اس کے کیا محرکات اور اسباب ہیں اور ان کی اس ذہنیت کے پیچھے کیا عوامل کارفرما ہیں؟

کیا اگر ہم اپنی سیاسی طاقت کے زور پر یا احتجاج کے ذریعہ حکومت وقت کو مجبور کر کے اپنے جائز مطالبات منوالیں، اپنی منصوبہ بندی کے ذریعہ ملت کی ان اقتصادی و تعلیمی کمیوں کو دور کر لیں، ہمیں اسمبلیوں میں اپنی آبادی کے اعتبار سے ریزرویشن یا الیکشن کے ذریعہ نمائندگی مل جائے یعنی ساڑھے پانچ سو ممبران پارلیمنٹ میں ۲۸ کے بجائے سو مسلم ممبران پارلیمنٹ پہنچ جائیں، حکومت ۲۰ فیصد ریزرویشن سرکاری ملازمتوں اور ملکی اداروں میں ہمارے لئے مختص کر دے، مسلم تعلیمی تناسب ۵۵ فیصد کے بجائے سو فیصد ہو جائے، مسلمان پورے ملک میں معاشی میدان میں ترقی کی آخری منزل کو پا جائیں اور ہماری پسماندگی کا خاتمہ ہو جائے، پورے ملک کی جیلوں سے ہمارے مسلم نوجوان رہا ہو جائیں اور عدالتوں میں ہمارے خلاف ہونے والے تمام فیصلوں کو حکومت پارلیمنٹ میں نیا قانون بنا کر رد کر دے، غرض یہ کہ بالفرض اگر یہ ہمارے تمام معاشی/تعلیمی/ سماجی/ سیاسی اور دینی مسائل حل ہو جائیں تو کیا آپ کو اور ہمیں اس بات کا اطمینان رہے گا کہ ۶/۵ سال کے بعد ان فرقہ پرست ذہنیت کے حامل سرکاری افسران اور دیگر برادران وطن کی طرف سے دوبارہ ہمیں پریشان کرنے یا نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی جائے گی یا پھر کسی اور چور دروازہ سے ہمارے عائلی قوانین میں مداخلت اور نئی مسلم نسل کو ذہنی طور پر پریشان کرنے اور سیاسی اور تعلیمی و معاشی میدان میں ہم کو پہلے سے زیادہ کمزور کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی؟

اس کا جواب یہی ہے کہ ہمارے ان سب مسائل کے حل ہونے

کے باوجود ملک کے بڑے مناصب پر فائز ہمارے فرقہ پرست یہ برادران وطن جن کے ہاتھوں درحقیقت ملک کی زمام ہے پہلے سے زیادہ ہمارے خلاف منصوبہ بنانے میں لگ جائیں گے اور ان کا غیظ وغضب ہمارے خلاف پہلے سے زیادہ ہو جائے گا، اس لئے کہ ان کو جس بنیاد پر ہم سے نفرت اور وحشت تھی اس کا ازالہ نہیں ہوا اور جن عوامل کی وجہ سے وہ ہم سے بدظن تھے اس کا کوئی خاتمہ نہیں ہوا، اس کی مثال ویسے ہی ہے جیسے کسی کے سردرد یا بخار کو ختم کرنے کے لیے نیم حکیم یہ نہ معلوم کرے کہ مریض اس تکلیف میں کس وجہ سے مبتلا ہے اور وہ اس کے محرکات کو جانے بغیر صرف بخار یا سردرد کا علاج کردے، نتیجہ یہ ہوگا کہ دوسرے دن سردرد ختم ہونے کے بعد پھر کمر میں درد شروع ہوگا، بخار کے جانے کے بعد سردی اور زکام کا آغاز ہوگا، کامیاب حکیم وہی ہے جس کو اس نتیجے میں دیر نہ لگے کہ اس کے پیٹ کی خرابی کی وجہ سے ہی یہ سب بیماریاں اس کو لاحق ہو رہی ہیں، اس لئے اس کا صحیح علاج یہی ہے کہ پیٹ کی خرابی کا ازالہ کیا جائے تا کہ آنے والی تمام بیماریوں کا خاتمہ ہو سکے۔

اسی طرح آج ہمارا حال ہے کہ ہم مسائل کو تو حل کرنے پر اپنی توجہ مبذول کر رہے ہیں لیکن یہ مسائل جن عوامل اور اسباب کی بناء پر پیدا ہوئے ہیں اس کی طرف ہمارا ذہن نہیں جا رہا ہے۔

اس ملک میں ہمارے ان سب مسائل کا جو اس وقت ہمیں در پیش ہیں اگر سنجیدگی سے تجزیہ کیا جائے تو اس کے پس پردہ صرف ایک محرک نظر آتا ہے اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے ان کے دلوں میں موجود خدشات، شبہات اور غلط فہمیاں ہیں، اگر اس پر ہم سنجیدگی سے توجہ دیں اور ایک کامیاب حکیم کی طرح اصل مرض کی تشخیص کرتے ہوئے اس کے ازالہ کی کوشش کریں تو سرے سے ہمارے ان سب مسائل ہی کا خاتمہ ہو جائے، اس لئے کہ عالمی سطح پر اس وقت ناگفتہ بہ حالات کے باوجود دعوتی اعتبار سے دیگر خطوں بلکہ اکثر مسلم ممالک کے مقابلہ میں ہندوستان کے حالات نہ صرف غنیمت بلکہ بہت بہتر ہیں ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے اور دعوتی نقطہ نظر سے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے، اس لئے کہ اب بھی الحمدللہ برادران وطن کی اکثریت اسلام کے تعلق سے بدظن ہونے سے محفوظ ہے اور ہماری تھوڑی سی کوشش سے ہی اسلام کے حق میں اس کے اچھے اثرات ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔

ہمیں جسم کی مختلف ظاہری بیماریوں کا علاج کرنے کے بجائے بدن میں پنپنے والے اس مرض کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہئے جس کی وجہ سے آئے دن نت نئے امراض کی طرح امت مسلمہ کے سامنے اس طرح کے مسائل آرہے ہیں، ہمیں حکمت عملی، خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ اپنے برادران وطن تک اس دعوت کو پہنچانا چاہئے جس میں خود ان کی ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی مضمر ہے، جدید ترقیات کی روشنی میں اسلام کی حقانیت و ابدیت کو ثابت کرنا اس وقت جتنا آسان ہے ماضی کی تاریخ میں کبھی اتنا آسان نہیں تھا، اسی طرح ہمیں دعوت کے میدان میں جدید وسائل واسباب کا بھی شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے بھرپور استعمال کرنا چاہئے اور اپنے ان برادران انسانیت تک بھی توحید ورسالت اور آخرت کے دلائل پہنچانے چاہئے جو کسی وجہ سے نہ ہمارے پاس آرہے ہیں اور خاص حالات کی وجہ سے ہم بھی ان تک نہیں پہنچ پا رہے ہیں، آپ کہیں گے کہ نہ ہم ان کے پاس جاسکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے پاس آرہے ہیں پھر ان تک اپنی بات پہنچانے کا کونسا طریقہ رہ جاتا ہے، ہم نے اعزاز دے کر اپنا پیغام سنانے کے لئے اپنے جلسوں میں ان کو مدعو کیا، وہ نہیں آئے، ہم نے ان تک قرآن پہنچانا چاہا، انہوں اس کو قبول نہیں کیا، ہم نے پیام حق ان کو سنانا چاہا، وہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوئے لیکن آپ کے ان سب دلائل کے باوجود ہمیں اس کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس جدید ٹیکنالوجی کے دور میں ہم ان کے پاس گئے بغیر بھی ان تک اپنا پیغام پہنچا سکتے ہیں، ان کے نہ چاہتے ہوئے بھی اسلام کی حقانیت ان کی نظروں سے گذار سکتے ہیں اور غیر محسوس طریقہ پر بھی اللہ کا پیغام ان کو سننے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک نئی جگہ ہم دکان لگاتے ہیں، کیا دکان کے نہ چلنے پر دو تین ماہ کے اندر ہی اپنی دوکان بند کر دیتے ہیں؟ (بقیہ صفحہ ۲۴ پر)

جنرل سکریٹری بورڈ کا ایک اہم مکتوب

مکرم ومحترم/مکرمہ ومحترمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

یہ عریضہ ماہ رمضان المبارک کی نسبت سے لکھ رہا ہوں، یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن پاک نازل فرمایا، یہ کتاب دنیا کے سارے انسانوں کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے، اسی ماہ مبارک میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص اور پسندیدہ عبادت روزہ کو فرض کیا جس کا مقصد ایمان والوں کو تقویٰ کا پیغام دینا ہے، اسی مہینہ میں ایک رات ایسی آتی ہے لیلۃ القدر جو ہزار راتوں سے بہتر ہے، اس مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا عشرہ عذاب دوزخ سے نجات کا زمانہ ہے، اس مہینہ میں نفل عبادتوں کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیا جاتا ہے، یہ مہینہ اللہ کو راضی کرنے، نفس پر قابو رکھنے اور لوگوں کے ساتھ ہمدردی وغمگساری کے اظہار کا مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ماہ مبارک کی رحمتوں اور برکتوں سے فیضیاب فرمائے اور ہماری لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف کر کے اپنی مرضیات سے نوازے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ پورے ملک کے مسلمانوں کی جملہ تنظیموں، مختلف مسالک کے لوگوں، علماء وقانون دانوں اور امت کے بااثر لوگوں کا ایک متحدہ ومتفقہ پلیٹ فارم ہے، جس کا مقصد شریعت اسلامی اور شعائر اسلامی کا تحفظ ہے، خاص کر شریعت اسلامی کا وہ حصہ جو مسلمانوں کے پرسنل لا یعنی خاندانی مسائل سے تعلق رکھتا ہے، یہ بورڈ ۱۹۷۲-۷۳ء میں قائم ہوا اور الحمد للہ آج تک یہ اپنی بنیادی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہے۔ ملک کے مختلف بڑے شہروں میں اس کے ۲۱ (اکیس) بڑے اجلاس اور اس کی عاملہ کے ۸۶/اجلاس منعقد ہو چکے ہیں۔

رمضان المبارک کی مناسبت سے آپ سے چند باتیں کہنا ضروری سمجھتا ہوں، سب سے پہلی بات یہ کہ اپنے علاقہ میں، اپنے حلقہ کے علماء وائمہ کو شخصی طور پر جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں شریعت اسلامی کی اہمیت اور مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل وضروریات عوام کے سامنے بیان کرنے کے لئے متوجہ کریں، نکاح میں سادگی سے کام لینے، طلاق میں جلدی نہ کرنے، وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دینے کے شرعی احکام کو بطور خاص بیان کریں، مہر کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے اس کو جلد نقد ادا کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اسلام میں عورتوں کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں اور مردوں کی جو ذمہ داریاں ہیں ان کو مؤثر انداز سے بیان کیا جائے۔ ایک صالح مسلم معاشرہ کیسے وجود میں آسکتا ہے؟ ایسا صالح اسلامی معاشرہ جس میں والدین سے لے کر تمام بھائی، بہنوں، بیوی و بچوں، رشتہ داروں، اور پڑوسیوں کے حقوق اسلامی بنیادوں پر ادا ہوں، ان تمام موضوعات پر ائمہ مسلسل توجہ دیں۔ ایک بات یہ بھی ضرور بتائی جائے کہ اگر میاں و بیوی یا دیگر اہل خاندان کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو اس کو سرکاری عدالت میں لے جانے کی بجائے آپس میں علماء کے مشورہ سے یا دارالقضاء میں قاضی شریعت کے سامنے پیش کر کے فیصلہ کرالیں، یہ آسان ہے اور اس میں مسلمانوں کی عزت بھی قائم رہتی ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان اور مدعوئین کی یہ بھی ذمہ داری

ہے کہ وہ مسلک، برادری یا علاقہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو آپس میں تفریق پیدا کرنے سے روکیں اور کلمہ واحدہ کی بنیاد پر متحد و منظّم رہنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ دینی تعلیم کا بھی بالواسطہ مسلم پرسنل لا کے مسئلہ سے گہرا تعلق ہے۔ ہمارے صرف پانچ فی صد بچے ہی مدرسوں اور دینی مکاتب میں پڑھتے ہیں۔ باقی بچے اور بچیاں اسکول میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور ان کے والدین خاص کر انگلش میڈیم اسکول اور عیسائی مشنریوں کے اسکولوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے اگر خصوصیت کے ساتھ تمام بچوں کو چھ سال سے گیارہ سال کی عمر کے درمیان دینی تعلیم سے آراستہ نہیں کیا گیا تو وہ شریعت اسلامی سے واقف ہی نہیں ہوں گے اور تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود دینی تعلیم سے قطعی محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر مسلم آبادی میں لڑکے اور لڑکیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا نظم کیا جائے۔ جوانوں کی دینی اسلامی تربیت، عورتوں میں دینی شعور کی بیداری اور اسلام نے ان کو انسانی معاشرہ میں جو عزت کا مقام عطا کیا ہے اسے بتایا جائے۔

ہمارے سامنے ایک اہم مسئلہ بورڈ کے مالی استحکام کا ہے۔ بورڈ کے مقاصد کی اشاعت اور اصلاح معاشرہ سے متعلق ضروری و مفید لٹریچر کی تیاری اور اسے پورے ملک میں بھیجنا، ملک کے مختلف شہروں میں دارالقضاء کا قیام اور باصلاحیت قاضی کا تقرر نہایت ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کے خانگی مسائل ان کے اپنے ماحول میں ہی طے پا جائیں۔

مختلف عدالتوں جیسے ہائی کورٹس و سپریم کورٹ میں ہمارے خلاف دائر ہونے والے رٹ پٹیشن اور دوسرے مقدمات کا دفاع بھی ایک لازمی کام ہے۔ بورڈ کے ذمہ داروں کو کبھی کبھی مرکزی و ریاستی حکمرانوں اور سیاست دانوں سے بھی رابطہ پیدا کرنا پڑتا ہے اس کے لئے وفود بھی ترتیب دئے جاتے ہیں۔ ملک کے مختلف شہروں میں تفہیم شریعت تحریک کے تحت علماء اور وکلاء کے مشترک اجتماعات منعقد کرنا تاکہ فقہ اسلامی اور جدید قانون پر باہمی مذاکرات اور تبادلہ خیال ہو سکے۔ یہ بھی ایک بہت ہی مفید اور لازمی کام ہے۔

ان سب امور کو منظّم اور منصوبہ بند طریقہ پر چلانے اور انجام دینے کے لئے ایک بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے جب کہ آپ کے اور اہل خیر حضرات کے گرانقدر عطیات کے سوا بورڈ کے لئے آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، اس لئے میری آپ سے اور دیگر ارکان بورڈ سے درخواست ہے کہ رمضان المبارک میں اپنے حلقہ اثر کے منتخب اہل خیر حضرات کے گرانقدر عطیات حاصل کرنے کی جدوجہد کریں، اہل خیر سے رابطہ قائم کریں اور بورڈ کے متنوع پروگراموں، منصوبوں، کاموں کی اہمیت وضرورت اور مقاصد سے واقف کرا کر ان سے بورڈ کے مالیات کو مستحکم کرنے کی گذارش کریں۔

رمضان المبارک کے اس مبارک مہینہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے دلوں کو نرم کر دیتا ہے اور ہر مسلمان خیر و نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ اپنی تھوڑی کوشش سے جہاں مسلم گھرانوں، خاندانوں میں آپسی تعلقات کو سدھارنے اور اصلاح لانے کی کوشش کریں، وہاں مسلمان مرد و خواتین کو بورڈ کے مالی استحکام میں بھی حصہ لینے کی جانب متوجہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کی نیک کوششوں کا بہتر اجر آخرت میں عطا فرمائے گا۔

اس سے پہلے ماہ شعبان میں بھی آپ کی خدمت میں ایک خط بھیجا گیا ہے۔

والسلام

سید نظام الدین

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

This document was created with Win2PDF available at http://www.win2pdf.com.
The unregistered version of Win2PDF is for evaluation or non-commercial use only.
This page will not be added after purchasing Win2PDF.